قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۹ شمارہ: ۹

رمضان المبارک: ۱۴۴۷ھ - مارچ: ۲۰۲۶ء

قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِ سالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر / مُدیر مسئول

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سید احمد یوسف بنوری

مُدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفی

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800 پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ : 50 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-0101900 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: + 92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

کم عمری کی شادی اور شرعی وانتظامی حدود!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ
وقت کے تقاضے اور بسنت	۷	

مقالات ومضامین

مکاتیبِ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ		
بنام حضرت مولانا محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ	۹	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
علمِ تجوید کی اہمیت اور چند اہم قواعد	۱۵	مولانا سید ابوذکوان عتیق الحسن الحسینی
تزکیہ وتصوف اور خانقاہی نظام ... چند اشکالات کا تجزیہ	۲۱	مولانا محمد یاسر عبداللہ
میت کے گھر کھانے کا اہتمام ... شرکتِ جنازہ، تعزیت		
اور اہلِ میت وعام لوگوں کی ضیافت کا فقہی تجزیہ	۳۳	مفتی محمد فیاض قاسمی
حرمین شریفین میں وتر کی نماز امام کی اقتدا میں پڑھنے کا حکم	۳۹	مفتی سید انور شاہ

یادِ رفتگاں

جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ رحمۃ اللہ علیہ	۴۴	محمد اعجاز مصطفیٰ
استاذِ محترم قاری مفتاح اللہ رحمۃ اللہ علیہ، چند قابلِ تقلید اوصاف	۴۷	مولانا نور الرحمٰن
حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ رحمۃ اللہ علیہ، منتخب اوصاف وملفوظات	۵۳	مولوی نظام الدین

دار الافتاء

رمضان المبارک میں وتر کی نماز جماعت کے بغیر پڑھنا	۵۸	ادارہ
ریسٹورنٹ مینجمنٹ سسٹم میں الکوحل یا ناجائز اشیاء کا استعمال	۵۹	

نقد ونظر

أفضل التطبيق العصري على مسائل القدوري	٦١	ادارہ
تنقيح الحواشي لحل أصول الشاشي	٦٣	

کم عمری کی شادی اور شرعی و انتظامی حدود!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی!

پاکستان وہ اسلامی مملکت ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی، اس کے قیام میں لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے اور اس کی بنیاد کو اپنے خون سے استحکام بخشا، اُن کے ذہنوں میں اسلامی ریاست کا جو خواب سمایا ہوا تھا، وہ اس کی عملی تعبیر کے لیے کوشاں رہے۔ چنانچہ علمائے کرام نے اپنی پُر امن سیاسی جدوجہد اور قانونی کوششوں اور کاوشوں کے ذریعے قراردادِ مقاصد، ۲۲؍اسلامی نکات، ۱۹۷۳ء کے آئین میں اسلامی دفعات، امتناعِ قادیانیت آرڈیننس اور ناموسِ رسالت کا تحفظ وغیرہ کے ذریعے حتی الامکان اپنا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن شومیِ قسمت کہ دوسری جانب اس ملک میں ایک ایسا طبقہ بھی ہر وقت سرگرم رہا جو اسے لادِین ریاست بنانے کے لیے کوششیں کرتا رہا، چنانچہ جنرل ایوب خان کے مارشل لا دورِ حکومت میں عائلی قوانین کے نام سے سراسر دینِ اسلام کے خلاف قانون سازی کی گئی، جس پر ماہنامہ بینات کے ان ہی صفحات میں بار ہا اربابِ حکومت کو توجہ دلائی جاتی رہی ہے۔

حال ہی میں ایک مرتبہ پھر ایسی قانون سازی کی گئی ہے جو دینِ اسلام کے بالکل خلاف ہے، جس میں ۱۸؍سال سے کم عمری کی شادی کو نہ صرف ممنوع قرار دیا گیا ہے، بلکہ اسے زنا بالجبر قرار دیتے ہوئے

قابلِ تعزیر جرم بنا دیا گیا ہے۔

عالمی سطح پر اس قانون سازی کی بنیاد بچوں کے حقوق کا تحفظ بتائی جاتی ہے، جس میں معقولیت بھی محسوس ہوتی ہے، اسی بنا پر اس نوعیت کے قانونی بندوبست کو عموماً انسانی عقل کے ارتقا کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے کہ تجربات کی روشنی میں انسانی عقل جن خامیوں کی نشان دہی کرے، ان کا سدِّ باب کیا جائے، اور کمزور طبقات کو ان کا حق دے کر وسعتِ نظر اور وسعتِ ظرفی کا مظاہرہ کیا جائے۔ نیز اس قانون کی ضرورت کے لیے بطورِ دلیل بعض ان علاقائی رسوم کا حوالہ دیا جاتا ہے، جن میں والدین یا اولیاء بچوں کے مصالح سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنی خواہشات، مجبوریوں یا علاقائی روایات کے تحت کم عمر بچوں کا نکاح سنّ رسیدہ افراد سے کر دیتے ہیں، اور بعض مواقع پر اپنے مفادات کے لیے بچوں کو گویا فروخت کرنے کا تصور بھی اُبھرتا ہے، اس جاہلانہ واستحصالی رسم ورواج کی قباحت میں اور اس کا سدّ باب ضروری ہونے میں کسے شبہ ہوسکتا ہے؟!

لیکن اس حوالے سے صرف عالمی معیارات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ایسی قانون سازی کر کے اسے عجلت میں منظور کرنا جس میں سنجیدہ غور وفکر کی کمی ہو اور اس میں آسمانی ہدایات فراموش ہوں، کسی طور درست نہیں ہے، اگر معاملہ کم عمری کے نکاح کی رجسٹریشن کی ممانعت تک رہتا تو انتظامی اعتبار سے قابلِ فہم تھا کہ بعض صورتوں میں واقعتاً بچوں کا استحصال ہوتا ہے، اس کے بعد جائزے کے لیے آزاد و منصفانہ کونسل تشکیل دی جاسکتی تھی، اگر نابالغ کے نکاح میں واقعتاً والدین کا سوءِ اختیار ثابت ہوتا تو نکاح فسخ کیا جاتا، اور معاملے کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے مناسب تنبیہ یا سزا تجویز کی جاسکتی تھی۔ لیکن ۱۸ر سال سے کم عمری کے نکاح کو مطلقاً کالعدم قرار دینا، بلکہ جرائم کی فہرست میں شمار کرنا نہ صرف قرآن وسنت کے خلاف ہے، بلکہ از روئے عقل بھی درست نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

’’وَالّٰٓـئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـئِيْ لَمْ يَحِضْنَ‘‘ (الطلاق:۴)

ترجمہ: ’’تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں جو عورتیں (بوجہ زیادتِ سنّ کے) حیض آنے سے مایوس ہوچکی ہیں، اگر تم کو (ان کی عدّت کی تعیین میں) شبہ ہو تو ان کی عدّت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عوتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا۔‘‘ (بیان القرآن)

اس آیتِ مبارکہ میں ان لڑکیوں کی عدّتِ طلاق تین ماہ بیان کی گئی ہے، جن کو ابھی تک حیض نہیں آیا، ظاہر ہے عدت کا سوال طلاق کے بعد ہی ہوسکتا ہے اور جب تک نکاح صحیح نہ ہو، طلاق کا کوئی احتمال ہی

نہیں، الغرض اس آیت نے نابالغ لڑکیوں کے نکاح کو واضح طور پر جائز قرار دیا ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح چھ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا۔

ہاں! مباشرت کے حوالے سے اسلام نے شوہر کو پابند کیا ہے کہ اگر لڑکی جماع کی متحمل نہ ہو تو اس سے صحبت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس ذمہ داری سے سبک دوشی میں تاخیر سے منع فرمایا ہے، حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو: نماز میں، جب اس کا وقت ہوجائے۔ جنازہ میں، جب حاضر ہو۔ اور بے نکاح عورت کے نکاح میں، جب اس کا ہم پلہ رشتہ مل جائے'':

''عن علي بن أبي طالب، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له: يا علي! ثلاث لاتؤخرها: الصلاة إذا أنت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفئًا.'' (ترمذي، ۱ / ۳۲۰، باب ما جاء في الوقت الأول من الفضل، أبواب الصلاة، ط:شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي – مصر)

عقلی پہلو سے بھی جائزہ لیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ بچے ہوں یا دیگر کمزور طبقات، سب کے حقوق کا صحیح معنیٰ میں تحفظ اُس نظام میں ہے جو تمام مخلوقات کے خالق نے دیا ہے، خالق سے بڑھ کر مخلوق کی فطرت، نفسیات، ضروریات اور تقاضوں کو کون جان سکتا ہے! اور اس کے بیان کردہ قانون سے زیادہ کون سا قانون جامع اور ہمہ جہت ہوسکتا ہے! اِسلام نے ان فرسودہ روایات و دیگر جاہلانہ رسم ورواج کا اس وقت خاتمہ کیا جب خود کو ترقی یافتہ کہلانے والی اقوام انسانیت کے لیے باعثِ عار تھیں۔ ہم مسلمان مجموعی طور پر آج جن اِسلامی ہدایات سے دست بردار ہو رہے ہیں، دنیا سالہا سال کے تجربات کر کے اور ہزار ٹھوکریں کھا کر وہاں پہنچتی ہے، انسانی عقل کمال کو بھی پہنچ جائے بسا اوقات اس سے بعض پہلو اوجھل رہتے ہیں، جب کہ شریعت نے تمام جہات اور پہلوؤں کو ملحوظ رکھ کر اصولی احکام بیان کر دیے ہیں۔

کم عمری کے نکاح پر پابندی میں جہاں بچوں کے حقوق کا تحفظ نظر آتا ہے، وہیں بہت سی صورتوں میں بچوں کے حقوق بھی سلب ہو سکتے ہیں، بعض مواقع ایسے آتے ہیں جہاں بچے کے حق کا تحفظ اس کا نکاح کرنے میں ہوتا ہے، جزئیات اس کی بے شمار ہوسکتی ہیں، جن کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے، اصولی طور پر دو اشاروں پر اکتفا کیا جاتا ہے، مثلاً:

❶ - کم عمر بچی کے نفقے کے انتظام کی کوئی صورت نہ بن رہی ہو، اور کوئی شریف النفس انسان اس کی خیرخواہی میں اس کے حقوق اور شرعی احکام کی مکمل رعایت رکھتے ہوئے اس سے نکاح کر کے ساری زندگی اس کی کفالت کرے، اور غیر جانبدار ثالث بھی اس معاملے کا جائزہ لیں تو وہ اس کی خیرخواہی کی تصدیق کریں۔ ظاہر ہے یہاں بچی کی حق تلفی نہیں، بلکہ حقوق کا خیال ہے۔

❷ - ہم جانتے ہیں کہ طبعی طور پر اٹھارہ سال عمر سے پہلے ہی بچے اور بچی میں جنسِ مخالف کی طرف میلان پیدا ہو جاتا ہے، اگر اٹھارہ سال سے پہلے بچے یا بچی میں بلوغت کی علامات ظاہر ہونے کے بعد بھی اٹھارہ سال عمر ہونے تک نکاح پر پابندی ہو تو یہ جوان بچے یا بچی کی حق تلفی اور اس کے ساتھ زیادتی ہے، بلکہ اسے حلال ذریعہ چھوڑ کر، حرام ذرائع سے اپنی شہوت پوری کرنے کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ شریعت نے تو بلوغت کی علامات ظاہر ہونے کے بعد لڑکے اور لڑکی کی رائے اور آزادی کا مکمل تحفظ کیا ہے، ان کی رضامندی کے بغیر والد کے لیے بھی ان کا نکاح کرانے کی اجازت نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ اب اپنی زندگی کے فیصلے کرنے میں خودمختار ہو چکے ہیں؛ البتہ والدین اور اولیاء کو ان کی سرپرستی و خیرخواہی کا اور اولاد کو والدین کی اطاعت کا حکم دیا ہے؛ تاکہ معاشرت و معاملات خوش اسلوبی سے جاری و ساری رہیں۔

بہرحال یہ بل منظور کرنے سے پہلے ''اسلامی نظریاتی کونسل'' میں بھیجا جانا چاہیے تھا، کونسل کی رائے اور ترمیمات کی روشنی میں اس کی اصلاح کر کے، پھر منظوری کے لیے پیش کیا جانا چاہیے تھا، لیکن جس عجلت کے ساتھ یہ بل منظور کیے جا رہے ہیں، نیز ان پر یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ اقوامِ متحدہ اور دیگر عالمی اداروں کی ہدایات کے پیش نظر ایسا کیا جا رہا ہے، جس سے یہ معاملہ حد درجہ مشکوک ہو جاتا ہے۔ یہ مداخلت اور مداہنت، دینِ اسلام کے منشور اور مملکتِ پاکستان کے دستور میں قابلِ منظور نہیں ہے؛ کیوں کہ وطنِ عزیز کی دستور سازی یا قانون سازی میں بنیاد اور بالادست درجہ قرآن و سنت کو حاصل ہے، نہ کہ اقوامِ متحدہ یا عالمی اداروں کو، چنانچہ غیر مسلم قوتوں کی ترجیحات کے دھند لکے میں جو بھی قانون سازی ہوگی وہ آئینِ پاکستان کی پہلی دفعہ سے متصادم ہونے کی بنا پر قابلِ عمل اور قابلِ قبول ہو ہی نہیں سکتی۔

دوسری جانب جن اقوام کی ایما پر یہ سب کیا جا رہا ہے، وہاں آئے روز ۱۸/سال سے کم سن لڑکیوں کے اسقاطِ حمل یا ماں بننے کے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں، بلکہ اب تو تہذیبِ مغرب کا ایسا چہرہ سامنے آیا ہے جس نے شرافت کو منہ چھپانے پر مجبور کر دیا ہے، مشرقی ممالک کی خواتین کے غم میں گھلنے والے، عورتوں کی تعلیم کے لیے فکرمند رہنے والے، بچوں کی صحت کی خاطر گھر گھر جا کر قطرے پلوانے کی مہم چلوانے والے، سائنسی ایجادات میں اپنا نام پیدا کرنے والے نام نہاد عالمی قائدین کے مخرب الاخلاق

قصے عام ہو چکے ہیں، جس کے بعد یہ معما حل کرنا مشکل نہیں رہا کہ کیوں عالمِ کفر اسلامی دنیا کی تہذیب کا جنازہ نکال دینے کے پیچھے پڑا ہوا ہے! درحقیقت شرم وحیا سے عاری یہ مغربی معاشرہ مسلمانوں کو بھی اسی غلاظت میں لتھڑا ہوا دیکھنا چاہتا ہے، جس کے یہ خود خوگر ہیں۔

وقت کے تقاضے اور بسنت

صوبہ پنجاب میں ۲۵ سال بعد بسنت پر عائد پابندی اُٹھالی گئی، حکومتی سر پرستی اور حکومتی ترغیب و تحریص کی بنا پر فروری ۲۰۲۶ء کے پہلے عشرے میں پنجاب بالخصوص لاہور میں یہ تہوار منایا گیا اور اس کے اختتام پر قوم کو یہ مژدہ بھی سنایا گیا کہ آئندہ پنجاب کے دوسرے شہروں میں بھی اس کی اجازت دی جائے گی۔ اس تہوار کے حامی اسے اگرچہ موسمِ بہار کے ساتھ جوڑتے ہیں اور برِصغیر کا قدیم ثقافتی تہوار قرار دیتے ہیں، لیکن محقق تاریخ دان ابوریحان البیرونیؒ کی تصنیف ''کتاب الھند'' کے مطابق یہ ہندومت کا مذہبی تہوار ہے۔

بسنت کا جو بھی پس منظر ہو، اسلامی تعلیمات کے ساتھ یہ میل نہیں کھاتا، کیوں کہ اس موقع پر ہونے والی فضول خرچیاں، مرد و زن کا بے محابا اختلاط اور بے ہودہ لہو ولعب کسی بھی اعتبار سے اسلامی تعلیمات سے میل نہیں کھاتا، یہ موقع ہو یا کوئی اور، مرد و زن کا اختلاط اور ناچ گانا جائز نہیں ہے، اور بہت سے غیر شرعی شنیع امور کا سبب و ذریعہ ہے، اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور فضول باتوں کو چھوڑ دے۔'':

''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ.'' (سنن الترمذي، كتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، حديث: ۲۳۱۷)

بہرحال! یہ فیصلہ افسوس ناک ہے، بالخصوص ایسے موقع پر جب ہمارا ملک اندرونی دہشت گردی کا شکار ہے اور صوبہ بلوچستان اور خیبر پختون خوا میں فوج اور پولیس کے جوان مادرِ وطن کی بقا، عوام کے تحفظ اور ملک میں امن کے لیے جانوں کے نذرانے پیش کررہے ہیں، آج اگر ہم سُکھ اور چین کا سانس لے رہے ہیں اور دشمن کی اعلانیہ جنگ سے محفوظ ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور ظاہری اسباب میں افواجِ پاکستان کی

غیر متزلزل قربانیوں اور مضبوط فیصلوں کا نتیجہ ہے۔ مئی ۲۰۲۵ء میں ہم دشمن کے ناپاک عزائم دیکھ چکے ہیں، الحمدللہ ہماری افواج نے دشمن کو ہر محاذ پر پسپا ہی نہیں کیا، بلکہ دنیا کے سامنے ہمارا دشمن روسیاہ بھی ہوا، اب وہ در پردہ ہماری بنیادوں کو کھوکھلا کر کے، ملک کا امن تباہ کر کے خاکم بدہن اپنے منصوبوں کی تکمیل چاہتا ہے۔ اسلام آباد میں امام بارگاہ کے اندر نمازِ جمعہ کے دوران دہشت گردی کا دل خراش سانحہ بھی ایسے ہی موقع پر پیش آیا ہے، جس میں کئی بے گناہ جانیں چلی گئیں، اس لیے ایسے موقع پر تو ضرور ان تمام خرافات اور فضولیات سے اجتناب کرنا انتہائی ضروری تھا، لیکن افسوس کے سوا کیا کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو سمجھ بوجھ عطا فرمائے، انہیں ملک وملت کے مفاد پر مبنی فیصلوں کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کی حفاظت فرمائے، ملک دشمن عناصر کی سازشوں اور چالوں کو ناکام فرمائے، فوج اور دیگر سیکیورٹی اداروں کے جوانوں اور عوام کی قربانیوں کو قبول فرمائے اور آئندہ ہر قسم کے سانحات سے ملک اور قوم کو محفوظ رکھے، اور حکومت و اَربابِ اقتدار کو اس سلسلے میں درپیش مشکلات سے نجات عطا فرمائے، ان کے فیصلوں کو صائب کر کے ان کی دست گیری فرمائے، آمین یا رب العالمین!

وصلّی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیّدنا محمّد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

دعاءِ مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست

جامعہ کے استاذ اور دفترِ اہتمام کے ناظم حضرت مولانا سلیم امین صاحب زید مجدہٗ کی بڑی ہمشیرہ ۱۶ / شعبان المعظم ۱۴۴۷ھ مطابق ۵ / فروری ۲۰۲۶ء بروز جمعرات انتقال کر گئیں، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون، اللّٰھم اغفر لھا وارحمھا وعافھا واعف عنھا وأکرم نزلھا ووسع مدخلھا، آمین.

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، حضرت مولانا سلیم امین صاحب اور تمام پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔

ماہنامہ بینات کے قارئین سے مرحومہ کے لیے دعاءِ مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

مکاتیبِ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت مولانا محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت مولانا محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ

۱۳؍رمضان المبارک سنہ ۱۳۸۴ھ

برادرِگرامی قدر وفّقك الله لكلّ خير وسعادة، وأعطاك حُسنى وزيادة!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

نامہ گرامی آج ہی پڑھنے کا اتفاق ہوا، اللہ تعالیٰ ان مشاغلِ دینی وعلمی میں مزید برکت نصیب فرمائے، آمین! دعا کرتا ہوں، اور آپ بھی دعواتِ صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے سوائے کسی اور سے خیر کی توقّع نہ کریں، اور نہ کسی پر اعتماد وتوکّل کریں، ورنہ سوائے خُسران وناکامی کوئی اور نتیجہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیّات ومعرفت کی توفیق نصیب فرمائے، آمین!

حضرت والد صاحب (۱) سے سلام عرض کردیں، اور دعا کی درخواست کریں۔

والسلام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

(۱) حکیم مختار حسن رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

سيدي وسندي، مُشفقي ومعظّمي، وشيخي، أدام الله بقاءَكم، وسقاني من علومكم وبركاتكم وتقواكم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اُمید ہے مزاج بعافیت ہوں گے، اللہ جل شانہ آپ کو اور سب اہل وعیال کو خیر وعافیت سے رکھیں، آمین!

قاری قادر جان صاحب کا خط مولانا انعام الکریم صاحب نے مجھے ہی دیا تھا، اور میں نے قاری صاحب کو پہنچایا، انہوں نے مجھے بھی پڑھنے کو دیا، آپ کی خیریت اور آمد کی اطلاع ملی، خدا کرے کہ آپ جلدی سے آجائیں، لیکن اتنے کم وقت سے یہاں کا حق تو پورا نہ ہوگا، خیر! نہ ہونے سے تو یہ بھی غنیمت ہے، ولله الحمد!

معلوم ہوتا ہے کہ آپ بالکل بھول ہی گئے، جب سے روزانہ ڈاک معلوم کرتا ہوں، اور آپ کے شفقت نامہ کا منتظر رہتا ہوں، لیکن

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

افسوس کہ آپ نے اپنے اس حقیر سے خادم کو بالکل بھلا دیا، اور تسلی کے لیے چند لفظ بھی نہ لکھے، کاش کہ آپ کو میری حالت پر رحم آجائے، کاش کہ آپ کو میری حالت اور جذبات کا علم ہوجاتا، اگر ایسا ہوتا تو شاید آپ کو رحم آجاتا، اور تھوڑی سی زحمت گوارا فرمالیتے، آخر کسی شکستہ دل کی دلجوئی کرنا بھی تو کارِ خیر ہے، لیکن شاید آپ اسے شکستہ دل ہی نہ سمجھتے ہوں گے، یہ فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کریں گے؛ فإنهٗ أقرب من حبل الوريد، وإنهٗ عليم بذات الصدور (کیونکہ وہ شہ رگ سے قریب تر اور سینوں کے رازوں سے آگاہ ہیں)۔ خدا جانتا ہے کہ میرے دل پر کیا گزر چکا ہے اور کیا کچھ گزر رہا ہے، میں اس لیے عریضہ لکھنے سے کتراتا تھا کہ آپ کی شان میں گستاخی نہ ہو؛ کیونکہ اپنے کو قابو میں رکھنا یہ انسان کے بس کی بات نہیں، خاص طور سے مجھ جیسے کمزور انسان کے لیے، اور پھر مدینہ منورہ میں رہ کر ایسی چیز نہ ہونا چاہیے، لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی فرمایا تھا: ''اللّٰهم هٰذا فيما أملك، فلا تؤاخذني فيما لا أملك'' (اے اللہ! یہ تو میرے بس میں ہے، جو میرے اختیار میں نہ ہو اس کا مجھ سے مواخذہ نہ کیجیے گا)، ویسے بھی یہ ''اللّٰهم إني أسألك حبّك وحبّ من يحبّك'' (اے اللہ! میں آپ سے آپ کی اور ان ہستیوں کی محبت کا سوالی ہوں جو آپ سے محبت کرتے ہوں) میں داخل ہے، جو اللہ تعالیٰ نے مجھے

بلا مانگے عطا فرمادی ہے، ولہ الحمد والشکر! لیکن بعض اوقات تو مجھ پر اس کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ میں سخت متحیّر ہوجاتا ہوں، اور بات اپنے بس کی نہیں رہتی:

مضطرب سا اِک تقاضۂ محبت دل میں ہے!

آپ سے خواب میں اور ویسے تو نامعلوم کتنی بار ملاقات ہوئی ہے، اور جب بھی ملاقات ہوئی بس یہ حالت ہوتی تھی کہ:

بے محابا تصوّر میں کوئی آجائے ہے
پھر نہ تڑپا جائے ہے دل سے نہ سنبھلا جائے ہے

لیکن آپ کو نامعلوم کیا بات ہے میری حالت پر رحم نہیں آتا کہ کبھی ایک پینتیس (۳۵) پیسے کے خط سے ہی تسلی نہیں فرماتے، کبھی ذرا کشف کے ذریعہ سے ہی میرے دل کی حالت معلوم کرلیں؛ تاکہ آپ کو میری اس پریشانی اور بے چینی کا یقین آجائے، ویسے تو میں خود ہی مجرم ہوں، خود میں نے آپ کے کون سے حق کو پورا کیا ہے!

کیا کوئی حقِ محبت ہو بھی سکتا ہے ادا
اپنا سارا دعویٰ پاسِ وفا کہنے کو ہے

....

ایک بھی تو نہ ہوا حقِ محبت پورا
ہم سمجھتے تھے کہ ہم بھی ہیں وفاداروں میں

مجھے تعجب تو اس پر ہے کہ چلتے وقت آپ فرما گئے تھے کہ میں وہاں سے خط لکھوں گا، اور سندِ اجازت بھی خوب صورت، شاندار لکھ کر بھیجوں گا، لیکن کراچی پہنچ کر تو گویا آپ کو یہ کچھ یاد ہی نہ رہا، جب آپ کو یہ ہی یاد نہ رہا تو پھر وہ کرتا پائجامہ وغیرہ کیا یاد رہا ہوگا؟! اسی لیے میں یہاں سے آپ کو کپڑا خرید کردینا چاہتا تھا۔

یہاں کے سب لوگ پوچھتے رہتے ہیں کہ آپ کا کوئی مکتوبِ گرامی آیا یا نہیں؟! اس وقت انہیں تو نفی میں جواب دے دیتا ہوں، لیکن میرا اپنا کیا حال ہوتا ہے؟! میں اسے بیان نہیں کرسکتا، کاش کہ میں آپ کو بتلاسکتا کہ مجھے آپ سے کیسا اور کتنا تعلق ہے؛ تاکہ آپ کم از کم میرا نہ سہی، اس کا ہی خیال رکھ لیتے! لیکن نہ میرے پاس وہ زبان تھی جس سے میں آپ کے سامنے بیان کرسکتا، اور نہ وہ قلم ہے جس سے تحریر کرسکوں، اور نہ اب اس کا وقت ہے کہ اس کو ذکر کرسکوں:

ابھی اے عارفی جو حالِ دل کہنا ہے وہ کہہ لے
بہت ممکن ہے پھر ناقابلِ اظہار ہوجائے

سيدي وسندي، یہ چند سطریں میں کس طرح لکھ رہا ہوں، یہ میں ہی جانتا ہوں، میری حالت بس وہی ہے جو کسی نے کہی ہے:

دل پہ اِک تازہ چوٹ کھائی ہے
جب بھی ہم اُن کے دَر سے گزرے ہیں

....

جب بھی گزرے ہیں وہ تصور میں
پردۂ چشمِ تر سے گزرے ہیں

....

کوئی بھی عالم ہو، اُن سے بُعد ہو یا قرب ہو
بے خودیِ دل وہی، وارفتگیِ دل وہی

....

ڈوب سا جاتا ہے دل، رہ رہ کے اُن کی یاد میں
کوئی کیا سمجھے کہ وجہ بے خودی ہوتی ہے کیا؟!

....

ڈوب کر کیفِ محبت میں کسی کی یاد نے
دل کے ہر احساس کو جانِ تمنا کردیا

شيخي مولائي! یہ تمام چیزیں ظاہر کرنے کی تو نہ تھیں، اور نہ مجھ میں اس کی ہمت تھی، اور نہ آپ کی شان کے مناسب ہیں، لیکن یہ سب کچھ مجبوراً لکھ رہا ہوں، لیکن پھر بھی بہرحال اپنے دل کی صحیح ترجمانی میں نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ ہی چاہیں تو آپ کو اس سے واقف کراسکتے ہیں، آپ کے حسنِ اخلاق اور حلم سے امید رکھتا ہوں کہ میری ان گستاخانہ سطور کو اس طرح معاف فرمائیں گے، جس طرح ایک مشفق وباکمال باپ اپنے چھوٹے اور پیارے بیٹے کی غلطی کو معاف کردیتا ہے، اور اپنی شفقتوں سے محروم نہ فرمائیں گے، میں جو کچھ بھی لکھوں اپنے دل کی ترجمانی نہیں کرسکتا:

نہ ممکن ہوسکی تکمیلِ شرحِ مدّعا مجھ سے
بہت انداز بدلے، لاکھ اندازِ بیاں بدلا

اور آپ کے کریمانہ اخلاق اور مشفقانہ انداز سے توقع رکھتا ہوں کہ فوری طور پر مجھے اپنے شفقت نامہ سے بہرہ ورفرما کر میرے مضطرب دل کو سکون پہنچائیں گے، اور میری اس بے چینی اور پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھتے ہوئے: ’’لأنك كأبي لي‘‘ (کیونکہ آپ میرے والد کی مانند ہیں) فوری طور سے میری تشفی

اور تسلی فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے، میرے لائق جو بھی اور جس قسم کی بھی خدمت ہو تحریر فرمائیں۔

دیکھیے! بھولیے گا نہیں، خدا کے لیے فوری طور سے اپنے وعدہ کے مطابق شفقت نامہ ارسال فرمایئے گا، اور ہمیشہ ارسال فرماتے رہیے گا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں، اور آپ کے درجات بلند فرمائیں اور آپ کی عمر دراز فرمائیں، اور اس حقیر کو آپ کی خدمت کرنے اور آپ سے فیض حاصل کرنے اور آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

استاذ رضا، مولوی مسلم خان وغیرہ سلام عرض کرتے ہیں، اب بس کرتا ہوں، ورنہ نا معلوم اور کیا کیا لکھتا چلا جاؤں گا، اس کو پڑھ کر ضائع کر دیں، دوسرا نہ پڑھے تو اچھا ہو، دنیا کی حالت کا آپ کو علم ہے ہی۔

فقط والسلام

آپ کا

م. ح. م الدہلوی عفا اللہ عنہ

ص. ب ۲۰۸، المدینۃ المنورۃ

پس نوشت: مولانا عبدالغفور صاحب (عباسی مدنی) کے صاحب زادے مولانا عبدالحق صاحب (عباسی) نے آپ کو بہت بہت سلام عرض کیا ہے، اور یہ نسخہ دیا ہے، اور بہت معذرت کی ہے کہ اس وقت آپ کو نہ دے سکے، اور تاخیر ہوگئی۔ ان کی اہلیہ وغیرہ بھی کچھ بیمار ہیں، اور بعض اعذار کی بنا پر اتنی تاخیر ہوئی، بہت عذر خواہی فرما رہے تھے۔ دردوں وغیرہ کے لیے مفید ہے، آپ سے اس کے بارے میں مدینہ منورہ میں وہ تذکرہ کر چکے ہیں۔ خط کا جواب جلدی ضرور دیں، مولوی عبدالحق صاحب بھی مجھ سے تقاضا کرتے رہیں گے کہ آپ کو وہ نسخہ پہنچا یا نہیں؟ حاجی عبداللہ صاحب نے عطر اور کتاب ''معارف السنن'' کے بارے میں کچھ نہیں لکھا کہ وہ کس کو دینا ہے؟ آپ کے جانے کے بعد یہاں پھر کافی سردی پڑ گئی تھی، اور وہ اُونی رومال خوب کام آیا، آج کل تو سردی کم ہے، بلکہ برائے نام ہی ہے، دھو کر آپ کے لیے تیار رکھا ہوا ہے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت مولانا محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱)

أخي في الله، صاحبي، وصاحبُ سرّي مع الله، أخي محمد حبيب الله مختار،

حفظه الله ووفّقهُ للخير والاعتدال!

پاکیزہ سلام اور محبت قبول کیجیے۔

(۱) نوٹ: یہ مکتوب عربی میں لکھا گیا، اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

اُمید ہے آپ بخیر وعافیت، اللہ تعالیٰ کی مرضیّات اور محبوب اعمال میں باتوفیق ہوں گے۔ آپ کا گرامی نامہ بہ مسرت وشادمانی وصول کیا، آپ کے حقائق کی قدردانی نہ کرنے پر مجھے افسوس ہوا؛ کیونکہ میرا آپ سے تعلّق کسی دلیل کا محتاج نہیں، میرا قلبی تعلق بھی دلیل کا محتاج نہیں، میری معذرت واضح ہے؛ کیونکہ مشاغل اور کاموں نے مجھے گھیر رکھا ہے، کراچی پہنچنے کے بعد ڈاک سے موصولہ خطوط کی بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی، اب تک ان سب کے جواب کی فرصت نہیں ملی۔ ہمارا روحانی تعلّق تو ہر خط سے مستغنی ہے، آپ سے محبت کسی نقاب وحجاب میں مخفی تونہیں، تو پھر یہ شکوے شکایت اور جزع فزع کیسی؟! اور یہ مایوسی وقنوطیت چہ معنی دارد؟! اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت وراستی نصیب فرمائے۔ اجازتِ (حدیث) ان شاء اللہ طیبۃ الرسول علیہ صلوات اللہ وسلامہ میں لکھ دوں گا۔ توقع ہے آپ ذوالحجہ کے پہلے جمعہ کی نماز مسجد نبوی میں ادا کریں گے، تمام برادران کو میرا اسلام پہنچایئے، خاص طور پر قاری عبدالقادر جان اور استاذ مسلم خان کو۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ!

محمد یوسف بنوری

شبِ ہفتہ، رات ۱۰ بجے

۱۸/ذیقعدہ سنہ ۱۳۸۷ھ

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

علمِ تجوید کی اہمیت اور چند اہم قواعد

مولانا سید ابوذکوان عتیق الحسن الحسینی
استاذِ جامعہ

قرآن کریم صرف پڑھنا کافی نہیں، بلکہ لطف لیتے ہوئے تجوید سے پڑھنا باعثِ اجر وثواب ہے۔قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے والے بعض حضرات کی توجہ تطویلِ نَفَس اور تحسینِ صوت کی طرف ہوتی ہے، لیکن تجوید کے قواعد کی طرف نہیں ہوتی اور جو طریقۂ تلاوت چل رہا ہو اسی کی تقلید کر کے پڑھتے ہیں، چاہے عربی گانے کا ہی طرز ہو، اسی لیے تلاوت میں لغزش ہوتی ہے۔

لغزش کی دو قسمیں: ۱-لحنِ جلی (بڑی غلطی) ۲-لحنِ خفی (چھوٹی غلطی)

لحنِ جلی حرام ہے اور لحنِ خفی مکروہ ہے اور ان کے علاوہ تحسینِ حروف سے متعلق قواعد جیسے تفخیم و ترقیق، اخفا و اظہار وغیرہ رہ جائے تو کوئی گناہ نہیں، البتہ خلافِ اَولیٰ ہے۔

اسی طرح بقول امام التجوید امام جزری رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم میں کوئی وقف نہ تو فرض ہے، نہ واجب اور نہ ہی حرام، بلکہ اس کا تعلق بھی تجمیل و تحسین سے اور التباس سے بچنے کے لیے ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

وليس في القرآن من وقف وجب و لا حرام غير ماله سبب

اسی طرح بعض قواعد وہ ہیں کہ جن کا اختیار کرنا اولیٰ ہے، اسی وجہ سے بعض قراء کرام اس کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن مخارج وصفاتِ لازمہ کا درجہ فرض کا ہے اور اس کی فرضیت قرآن کریم کی آیت: ’’وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا‘‘ (المزمل:۴) سے ثابت ہے۔

اور ’’ترتیل‘‘ بقول حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ :’’تجوید الحروف و معرفة الوقوف‘‘ کو کہتے ہیں، یعنی حروف کو ان کے مخارج وصفات سے ادا کرنا اور جائے وقوف کو پہچاننا۔

مخارج وصفات کی فرضیت کی وجہ

مخارج وصفات کا جاننا اس لیے فرض ہے کہ اگر حروف کو ان کے مخارج وصفات سے ادا نہیں کیا

جائے تو ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے گا یا کمی وزیادتی ہوجائے گی اور اسی کولحنِ جلی کہتے ہیں۔ اور اہلِ اداء اور اہلِ افتاء کے نزدیک معنی بدل جانے کی وجہ سے کبھی نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے۔

مثلاً: ''نصبا'' میں صاد کو اس کے مخرج ''والصفیر مستکن منه ومن فوق الثنایا السفلی'' سے اور اس کی صفتِ استعلاء واِطباق کوادانہیں کیا اور ''نسبا'' پڑھ دیا، یہ لحنِ جلی ہے جو کہ حرام ہے۔

اسی طرح ''قل'' میں قاف کو اس کے مخرج اقصی اللسان فوق اور اس کی صفتِ استعلاء کوادانہیں کیا اور وہ ''قل'' کی جگہ ''کل'' ہوگیا، تو یہ بھی لحنِ جلی حرام ہے۔

ایک اہم تنبیہ

عام طور سے ہم اہلِ عرب اور قراء کرام کی تجوید میں بھی کلی طور پر تقلید کرتے ہیں، جبکہ نبی کریم ﷺ نے عربوں کی صرف لہجوں اور آوازوں کی تقلید کا حکم فرمایا ہے، لیکن وہ بھی استحبابی حکم ہے، چنانچہ ارشادفرمایا:

''إقرءوا القرآن بلحون العرب وأصواتها.'' (المعجم الأوسط عن حذیفة بن الیمان)

یعنی ''قرآن کوعربوں کے لہجوں اور ان کی آوازوں سے پڑھو۔''

لیکن تجوید کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم کو نازل فرمایا اور ترتیل کا حکم دیا، اسی وجہ سے امام جزری رحمۃ اللہ علیہ ''باب معرفة التجوید'' کے پہلے ہی شعر میں تجوید کا حکم یوں بیان فرماتے ہیں:

والأخذ بالتجوید حتم لازم   من لم یجوّد القرآن آثم

یہاں ''حتم لازم'' سے تجوید کی فرضیت کی طرف اشارہ ہے اور ''آثم'' سے مراد گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے، اس لیے کہ وہ قرآن کریم کے حکمِ قطعی کا تارک ہے۔

نیز اگر تجوید میں بھی عربوں کی تقلید کا حکم ہوتا تو نبی کریم ﷺ ''بلحون العرب وأصواتها'' کے ساتھ ''وتجویدها'' کا بھی اضافہ فرماتے، لیکن چونکہ بعض عرب بھی خلافِ تجوید پڑھتے ہیں، اس لیے ان کی تجوید کو اُمت کے لیے لائقِ تقلید قرار نہیں دیا گیا۔

مثلاً: بعض عرب راء مشددہ میں ''را'' کی صفتِ تکریر کا اظہار کرکے متعدد ''را'' ظاہر کرتے ہیں، جیسے: ''الررر حمٰن الرررحیم'' حالانکہ صفتِ تکریر کوادا کی غرض سے نہیں، بلکہ اس سے بچنے کی غرض سے سیکھنا ہے۔ نیز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ودیگر نے یہ بات راء مشددہ کے قواعد کے ذیل میں ذکر فرمائی ہے کہ راء مشددہ ایک ہی ''را'' کے حکم میں ہے۔

اسی طرح بعض عرب حروفِ مستعلیہ ''خص ضغط قظ'' میں ''خ'' اور ''غ'' کے علاوہ بقیہ

پانچ حروف میں اخفا کے وقت تنوین اور نون ساکن کو تفخیم کے ساتھ ادا کرتے ہیں، جبکہ امام جزریؒ نے ''باب استعمال الحروف'' کے پہلے ہی شعر میں واضح حکم بیان فرمادیا:

فرققن مستفلا من أحرف و حاذرن تفخيم لفظ الألف

یعنی ''حروفِ مستفلہ'' کو ضرور باریک کرو، اور کسی حرفِ مفخم کے قرب و جوار کی وجہ سے نہ تو حرفِ الف کو پُر کرو اور نہ ہی کسی حرف مستفل کو پُر کرو۔ اور پھر آگے بطور تمثیل چند مثالیں بھی دیں، مثلاً فرمایا:

و ليتلطف و على الله و لض والميم من مخمصة ومن مرض

اور باب کے آخری مصرعہ میں فرمایا:

و حاء حصحص أحطت الحق و سين مستقيم يسطوا يسقوا

ان مثالوں میں یہی بات بتلائی ہے کہ ایک ''لام''، ''ط'' کے پاس اور دوسرا ''علی'' کا لام لفظ ''اللہ'' سے پہلے اور ایک ''میم''، ''خا'' کے ساتھ، دوسرا ''میم''، ''صاد'' کے ساتھ اور تیسرا ''میم''، ''راء مفتوحہ'' کے قرب و جوار میں ہے، لیکن چونکہ یہ حروفِ مستفلہ ہیں، لہٰذا ان کو باریک کرو۔ اسی طرح دوسرے شعر میں ''حاء''، ''ص'' کے جوار میں اور ''ط''، ''حاء'' اور ''تاء'' کے وسط میں اور ''ق'' کے جوار میں اور ''تاء''، ''ق'' کے اور ''سین''، ''ط'' اور ''ق'' کے جوار میں ہے، ان تمام کو باریک کرو۔

بالکل اسی طرح نون ساکنہ اور تنوین بھی جو نون ساکنہ کے حکم میں ہے، وہ حرفِ مستفل ہی ہے، لہٰذا یہ بھی جب کسی حرفِ مستعلی سے پہلے ہو تو اسے غنہ کے ادا کے وقت باریک رکھا جائے گا، کیونکہ حروفِ مستفلہ کو باریک ہی رکھنے کا حکم ہے، اس لیے اس قاعدہ کے مطابق کسی بھی عرب کی تقلید کی اجازت نہیں ہوگی۔

بعض صریح قواعدِ تجوید اور ہمارا عمل

اس ضمن میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اخفا اور اظہار دونوں کا معنی ایک ہی ہے یا الگ الگ ہے؟

لغت میں دیکھا جائے تو لغت کے کسی بھی ماہر نے اخفا کا معنی اظہار ذکر نہیں کیا، بلکہ لغات میں اخفا کا معنی چھپانا اور اظہار کا معنی ظاہر کرنا ہی مذکور ہے۔ میم ساکنہ اور نون ساکنہ وتنوین دونوں کے قواعد میں ایک قاعدہ اخفا کا بھی ہے۔ مجوّدین میم ساکنہ کے اخفا کو اخفائے شفوی اور نون ساکنہ کے اخفا کو اخفائے حقیقی کہتے ہیں۔

میم ساکنہ کے اخفا کی ادائیگی کا طریقہ

میم ساکنہ کے ''باء'' کے ساتھ واقع ہونے کے وقت جیسے: ''وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ'' اخفا کو ہونٹوں کے ناتمام ملانے سے ادا کیا جائے، تب میم کو چھپایا جاسکے گا اور پھر اسے اخفائے شفوی کہا جاسکے گا۔

نون ساکنہ اور تنوین کے اخفا کی ادائیگی کا طریقہ

نون ساکن اور تنوین میں اخفا کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ نون ساکنہ اور تنوین کے پندرہ حروفِ اخفا کے ساتھ واقع ہونے کے وقت، جیسے ''مِنۡ قَبۡلِهٖ'' زبان کے کنارہ کو نون کے مخرج ''والنون من طرفہٖ تحت اجعلوا'' سے دور رکھا جائے، یعنی زبان کو معلق رکھا جائے تب نون کو چھپایا جاسکے گا۔

دو قسم کے قراء کرام

اس وقت میم ساکن میں اخفا کے طریقۂ ادا کی نسبت سے سارے جہاں میں دو قسم کے قراء کرام ہیں:

پہلی قسم

قراء کرام کی پہلی قسم اخفا کے حقیقی معنی کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے اخفا کی قائل ہے اور اس پر عمل پیرا ہے۔

دوسری قسم

دوسری قسم ان قراء کرام کی ہے جو میم ساکنہ کے اخفا میں اخفا کے بجائے اظہار کے قائل ہیں۔

امام التجوید امام جزریؒ کا قولِ فیصل

ایسی صورت حال میں بجائے عقلی دلائل دینے کے کوئی مستند نقلی دلیل پیش کرنا ہر دو کے لیے مفید ہے، اس لیے جب ہم مقدمہ جزریہ کے ''باب في أحكام الميم والنون المشددتين'' میں غور کرتے ہیں تو اس باب میں امام جزری رحمۃ اللہ علیہ پہلے شعر کے آخر سے دوسرے شعر کی انتہا تک صراحت سے اخفا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وأخفين الميم بغنة لدا باء   على المختار من أهل الأداء

یعنی ''مجودین کے پسندیدہ قول کے مطابق باء کے نزدیک (میم واقع ہونے کے وقت) میم میں غنہ کے ساتھ ضرور اخفا کرو (میم کو چھپاؤ)۔''

گو کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سمیت سب نے اظہار کو جائز قرار دیا ہے، لیکن امام جزری رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اولیٰ اخفا کو قرار دیا ہے۔ اسی بات میں ہم غور کریں کہ ''اظہار کو جائز قرار دیا ہے'' تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اخفا بھی ہے اور ''اخفا'' اظہار کو نہیں کہتے۔

دوسرا اختلاف

دوسرا اختلاف اِقلاب کے قاعدہ کی ادائیگی میں ہے۔

نون ساکنہ میں اِقلاب کا قاعدہ ہے: ''والقلب عند الباء بغنة'' اِقلاب کو قلب بھی کہتے ہیں اور قلب کا معنی ہے بدلنا۔

اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ نون ساکنہ جب باء کے ساتھ واقع ہو تو نون ساکنہ کو میم سے بدل کر پڑھا جائے گا، لیکن اختلاف اس کی ادائیگی میں ہے۔

تمام شارحین نے اس کی ادائیگی کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ:

''نون ساکنہ کو میم سے بدل کر اِقلاب مع الاخفاء مع الغنہ کیا جائے گا۔''

جب نون کو میم سے بدلا جائے گا تو اصل میم ساکنہ کی صورت بنے گی اور میم ساکنہ جب باء کے ساتھ واقع ہو تو اس سے متعلق امام جزریؒ کے مطابق مختار یہی ہے کہ وہاں اخفا کیا جانا اولیٰ ہے نہ کہ اظہار، بلکہ حضرت مولانا قاری شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو فوائدِ مکیہ میں اِقلاب کے قاعدہ کی تشریح میں اِقلاب مع الاخفاء کو واجب قرار دیا ہے، اگرچہ یہ وجوبِ شرعی نہیں، لیکن اولویت کا بالکلیہ انکار بھی درست نہیں۔

تائے ساکنہ اور کاف ساکنہ کی ادائیگی کا طریقہ اور ہمارا عمل

تیسرا مسئلہ کاف وتاء کی ادائیگی کا ہے، ان دونوں حرفوں کی ادائیگی میں بھی قراء کرام کا عمل متضاد اور مختلف چلا آرہا ہے، جس کی وضاحت بھی نہایت ضروری ہے، اس لیے یہاں بھی دو باتوں کا جان لینا مفید ہوگا۔

ہر قاری کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ امام خلیلؒ کے مختار قول کے مطابق حروف کے سترہ مخارج کی طرح ان کی صفات بھی سترہ ہی ہیں اور دونوں کی یہی تعداد امام المجودین امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ جزریہ میں اختیار فرمائی ہے، چنانچہ ہر حرف میں پانچ صفات تک پائی جاتی ہیں۔

ان حروف میں دو حروف ''کاف'' اور ''تاء'' ایسے ہیں جن دونوں میں صفتِ ہمس بھی پائی جاتی ہے اور صفتِ شدت بھی، چنانچہ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ ''باب الصفات'' کے دوسرے شعر میں فرماتے ہیں:

مهموسها فحثهٔ شخص سكت   شديدها لفظ أجد قط بكت

اب آپ غور فرمائیں ''سكت'' اور ''بكت'' دونوں صفات میں کاف اور تاء دونوں ہی ہیں اور یہ دونوں صفاتِ لازمہ ہیں اور دونوں کو ادا کرنا بھی لازم ہے، ورنہ ان حروف کی کامل ادائیگی نہیں کہلائے گی اور اصل ادائیگی ان کے ساکن ہونے کی صورت میں ہے جو ایک مشکل امر ہے اور ان کو بہت محتاط طریقہ سے ادا کیا جاتا ہے۔

کاف ساکنہ اور تاء ساکنہ کی ادائیگی کا طریقہ

جب ''کاف'' اور ''تاء'' ساکن ہوں تو اس کی ادائیگی کے ابتدائی وقت میں دونوں کے مخرج میں شدت محسوس ہوتی ہے اور جب ''کاف'' کو کوّے سے متصل زبان کی جڑ اور اس کے مقابل اوپر کے تالو سے اور ''تاء'' کو زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ سے علیحدہ کیا جاتا ہے تو نہایت نرمی سے اور معمولی آواز کے ساتھ علیحدہ کیا جائے تو یہ صفتِ ہمس کی ادائیگی کہلائے گی۔

اور اگر ان کو مخرج سے سختی کے ساتھ علیحدہ کیا تو اس بے احتیاطی کی صورت میں ک، کھ اور ت، تھ ادا ہوگا اور یہ لحنِ جلی ہے، کیونکہ حرف کا بڑھانا اور گھٹانا سب لحنِ جلی کہلاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان دونوں حروف کی ابتدا میں صفتِ شدت ہے اور مآل کے اعتبار سے صفتِ ہمس ہے۔

بعض عرب وعجم کی بے اعتدالی

اس مسئلہ میں بعض عرب قراء ہمس میں بہت زور دیتے ہیں، نتیجتاً ت، تھ کی طرف اور ک، کھ کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ اور بعض عجمی قراء صرف شدت کو ادا کرتے ہیں اور ہمس ادا ہی نہیں کرتے۔ اعتدال کی صورت وہ ہے جسے اس مسئلہ کی ابتدا میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

فائدہ

تجوید سے متعلق جتنے قواعد اور باریک مسائل ہیں ان کا صرف پڑھنا کافی نہیں، بلکہ نحو وصرف کے قواعد کی طرح مستقل طور پر اجرا اور مشق کرنا بھی لازم ہے، چنانچہ ''باب معرفة التجويد'' کے آخری شعر میں امام جزری رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کی طرف متوجہ فرما رہے ہیں:

وليس بينهٗ و بين تره إلا رياضة امرئ بفه

یعنی ''تجوید اور عدمِ تجوید کے درمیان فارق قاری کا اپنے منہ سے مشق کرنا ہے۔''

معلوم ہوا کہ صرف معلومات کافی نہیں، بلکہ قواعد کے مطابق عملی مشق بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ راقم اور قارئین سب کو قرآن کریم ذوق وشوق سے اور باتجوید پڑھنے کی ہمت وتوفیق سے مالا مال فرمائے۔

تزکیہ وتصوُّف اور خانقاہی نظام

چند اشکالات کا تجزیہ

مولانا محمد یاسر عبداللہ
استاذِ جامعہ

علماءِ دیوبند اور حاصلِ تزکیہ وتصوُّف

تزکیہ وتصوُّف کے مباحث ان موضوعات میں سے ہیں جن کی توضیح وتفصیل، تنقیح وتہذیب اور تائید وتردید میں لکھی گئی کتب ورسائل سے بلامبالغہ ایک پورا کتب خانہ وجود میں آچکا ہے، اس موضوع کے متعلق تفصیل کی خواہاں طبائع کو ان کتب میں سامانِ تسکین تلاشنا چاہیے، یہاں اختصار کے پیشِ نظر علماء دیوبند میں سے' تزکیہ وسلوک کے میدان سے علمی وعملی دونوں پہلوؤں سے وابستہ تین نمایاں بزرگوں کے مختصر شذرے پیش کیے جارہے ہیں:

❶ -فقیہُ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ برس ہا برس کی تحقیق ومطالعہ اور تجربہ ومشاہدہ کی روشنی میں ''عطرِ تصوف'' کشید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''صوفیاء کا علم نام ہے ظاہر وباطن علمِ دین اور قوتِ یقین کا، اور یہی اعلیٰ علم ہے۔ صوفیاء کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف لَو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندے کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہوجانا ہے۔ صوفیاء کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق ہے، حسبِ فرمانِ خداوند تعالیٰ کہ بیشک تم بڑے خُلق پر (پیدا کیے گئے) ہو، اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے (اس پر عمل' اخلاقِ صوفیہ میں داخل ہے)۔

صوفی کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے:

①-اپنے آپ کو کمتر سمجھنا، اور اس کی ضد تکبّر ہے۔

②-مخلوق کے ساتھ تلطّف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا۔

③-نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ وغضب کو چھوڑ دینا۔

④- ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا مخلوق پر فرطِ شفقت کے ساتھ، جس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظِّ نفسانی پر مقدّم رکھا جائے۔

⑤- سخاوت کرنا۔ ⑥- درگزر اور خطا کا معاف کرنا۔

⑦- خندہ روئی اور بشاشتِ جسم۔ ⑧- سہولت اور نرم پہلو رکھنا۔

⑨- تصنُّع اور تکلُّف کا چھوڑ دینا۔

⑩- خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو۔

⑪- خدا پر بھروسہ کرنا۔ ⑫- تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا۔

⑬- پرہیزگاری۔ ⑭- جنگ وجدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ۔

⑮- بغض وکینہ وحسد نہ رکھنا۔ ⑯- عزت وجاہ کا خواہش مند نہ ہونا۔

⑰- وعدہ پورا کرنا۔ ⑱- بردباری۔

⑲- دُور اندیشی۔

⑳- بھائیوں کے ساتھ موافقت ومحبت رکھنا اور اغیار سے علیحدہ رہنا۔

㉑- مُحسِن کی شکرگزاری۔ ㉒- اور جاہ کا مسلمانوں کے لیے خرچ کرنا۔

صوفی، اخلاق میں اپنا ظاہر وباطن مہذّب بنالیتا ہے، اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے۔ بارگاہِ اَحدیّت کا ادب یہ ہے کہ ما سوی اللہ سے منہ پھیر لیا جائے، شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اِجلال وہیبت کے سبب۔ بدترین معصیت ہے تحدیثُ النفس یعنی نفس سے باتیں کرنا، اور ظلمت کا سبب ہے۔'' (ماخوذ از امداد السلوک، ص:۴۶، ادارہ اسلامیات، لاہور)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ تحریر اُن کے گہرے تفقّہ کا ثمرہ اور نظریہ وعمل کے اجتماع کا نتیجہ ہے، اُن کے فتاویٰ ومکاتیب اور رسائل میں جا بجا اس نوع کے بہت سے سچے موتی بکھرے ہیں، جو ایک لڑی میں پروئے جانے کے لیے کسی ماہرِفن جوہری کے منتظر ہیں۔

❷- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر اپنا حاصلِ تحقیق ایک مختصر نکتے کی صورت میں یوں قلم بند فرمایا ہے:

''تصوف کا حاصل یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو، سستی کا مقابلہ کرکے اس طاعت کو کرلے، اور جس گناہ کا تقاضا ہو، تقاضے کا مقابلہ کرکے اس گناہ سے بچ جاوے، شیخ کا بس یہی کام ہے کہ وہ اس بات کے حاصل کرنے کی تدبیریں بتلاتا ہے، اور کچھ نہیں کرتا۔'' (خطباتِ حکیم الامت: ۱۱/ ۲۱۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب میں بھی اس موضوع پر بہت مواد بکھرا ہوا ہے، بعض اہلِ علم نے

انہیں یکجا کرنے کی غرض سے مفید کاوشیں فرمائی ہیں۔

❸ -حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صاحبِ علم نے تصوف کی حقیقت کے متعلق استفسار فرمایا تو حضرت شیخ نے اپنے مُحدّثانہ ذوق کے مطابق اس عُقدہ کو حل کرتے ہوئے فرمایا:

''إِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' سارے تصوف کی ابتدا ہے اور ''اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ'' سارے تصوف کا منتہا ہے، اسی کو ''نسبت'' کہتے ہیں، اسی کو ''یادداشت'' کہتے ہیں، اسی کو ''حضوری'' کہتے ہیں:

حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ!
مَتٰی مَا تَلْقَ مَنْ تَهْوٰی دَعِ الدُّنْيَا وَأَمْهِلْهَا

.... سارے پاپڑ اسی کے لیے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اسی واسطے ہے، مجاہدہ اور مراقبہ بھی اسی واسطے ہے، اور جس کو اللہ جل شانہ اپنے لطف وکرم سے کسی بھی طرح یہ دولت عطا کردے، اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر سے ایک ہی نظر میں سب کچھ ہوجاتے تھے اور ان کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اس کے بعد اکابر اور حکماء اُمت نے قلبی امراض کی کثرت کی بنا پر مختلف علاج، جیسا کہ ''اَطِبّاء'' بدنی امراض کے لیے تجویز کرتے ہیں، ''روحانی اَطِبّاء'' نے روحانی امراض کے لیے ہر زمانے کے مناسب اپنے تجربات (جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط تھے)، نسخے تجویز فرمائے ہیں، جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہنچاتے ہیں، بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے۔'' (آپ بیتی: ۱/۵۸-۵۹، مکتبہ عمر فاروقؓ، کراچی)

اکابر علماء دیوبند کی کتب ورسائل میں درج مذکورہ تین اقتباسات کے متعلق یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ شذرے، تزکیہ وتصوف کے تئیں علماء دیوبند کے طرزِ فکر کے نمائندہ، اُن کے مطالعہ وتحقیق کا نچوڑ اور اُن کے مزاج ومذاق کا آئینہ ہیں۔ بلاشبہ علماء دیوبند نے اس معاملے میں نہ تو کلی طور پر رد اور انکار کی رَوِش اپنائی اور نہ ہی بے راہ رو صوفیاء کی شطحیات اور گمراہ کن افکار کے بے بنیاد دفاع کا راستہ چُنا ہے، بلکہ یہ بزرگ اس خارزار وادی میں افراط وتفریط کے کانٹوں سے دامن بچاتے ہوئے اعتدال کی راہ پر گامزن رہے، ''شریعت وطریقت میں تلازم'' کے قائل رہے اور عملاً اسی نظریہ وعمل کے پابند رہے ہیں۔

تصوف وسلوک اور خانقاہی نظام کے متعلق مختلف شبہات پیش کیے جاتے ہیں، پیشِ نظر تحریر میں چند عمومی اشکالات کا طالب علمانہ تجزیہ پیش کیا جارہا ہے:

کیا تصوف بدعت ہے؟!

اشکال: بعض حضرات تصوف کو بدعت کہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا واقعی یہ بدعت ہے؟

جواب: تصوف وسلوک اور خانقاہی نظام کی حقیقت سے شناسائی کے لیے چند بنیادی امور کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے، ان امور پر غور وفکر سے ان شاء اللہ مذکورہ اشکال سمیت بہت سے اشکالات وشبہات دور ہونے کی قوی امید ہے:

انسانی اعمال بنیادی طور پر دو قسم کے ہیں:

- بعض اعمال کا تعلق محض انسان کے ظاہر سے ہے، جیسے: کھانا پینا، سونا، وغیرہ۔
- بعض اعمال' انسان کے باطن کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، جیسے: دل میں اللہ کی یا انسانوں کی رضاجوئی کا جذبہ، وغیرہ۔

دینِ اسلام نے ان دونوں قسم کے اعمال کے متعلق احکام دیے ہیں، مثلاً: ''کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَاتُسْرِفُوْا'' (اعراف:۳۱) ''اور کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ نہ کرو۔'' اس نوعیت کے احکام کا تعلق قسمِ اول کے ساتھ ہے، اور ''وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ'' (احزاب:۳) ''اور بھروسہ رکھ اللہ پر'' اس نوع کے احکام کا تعلق قسمِ دوم سے ہے۔

شریعت میں جیسے ظاہری اعمال کے متعلق احکام پر عمل کی اہمیت ہے، اسی طرح باطنی اعمال سے متعلقہ احکام کا بھی اپنا مقام ہے، انھیں باطنی اعمال اور ان سے متعلق احکام سے ''علمِ تصوف'' میں بحث کی جاتی ہے، اور تصوف کا ہی دوسرا نام ''علمِ اخلاق'' یا ''علمِ احسان'' یا ''تزکیہ وسلوک'' ہے۔

اس نکتے کو ایک دوسرے پیرائے میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ذخیرۂ حدیث میں ''حدیثِ جبرئیلؑ'' مشہور حدیث ہے، جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات کیے تھے، پہلا سوال یہ تھا: ''أخبرني عن الإسلام؟''، ''مجھے اسلام کے بارے میں بتلائیے کہ اسلام کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الإسلام أن تشهد أن لا إلٰه إلا الله وأن محمدا رسول الله، وتقيم الصلوة، وتؤتي الزكوة، وتصوم رمضان، وتحجّ البيت إن استطعت إليه سبيلا''، ''اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرے، اور زکاۃ ادا کرے، اور رمضان المبارک کے روزے رکھے، اور استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔''

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے بعد دوسرا سوال کیا کہ: ''أخبرني عن الإيمان؟''، ''مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أن تؤمن بالله وملائكتهٖ وكتبهٖ ورسلهٖ واليوم الأخر، وتؤمن بالقدر خيرهٖ وشرّهٖ.''، ''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے۔''

اس جواب کی تصدیق کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تیسرا سوال کیا: ''أخبرني عن

الإحسان؟ ''، ''مجھے احسان کے متعلق بتایئے؟''، آپ ﷺ نے اس کا جواب یوں مرحمت فرمایا: ''أن تعبد اللّٰہ کأنک تراہ، فإن لم تکن تراہ فإنہٗ یراک.''، ''تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے، اگر یہ کیفیت نہ بنے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے تو یہ یقین رکھ کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب معرفۃ الإیمان والإسلام والقدر وعلامۃ الساعۃ، (۱/ ۲۸)، رقم الحدیث: ۸، ط: دار الطباعۃ العامرۃ)

اس حدیث کو دین کے خلاصے پر مشتمل جامع احادیث میں شمار کیا گیا ہے، اور درحقیقت یہ حدیث نبی کریم ﷺ کی فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ اور جوامع الکلم میں سے ہے۔

اس حدیث کے مذکورہ حصے کی روشنی میں دینی احکام وعلوم کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

①- دین کے بنیادی عقائد واصول۔

②- اعمالِ ظاہرہ کے متعلق احکام۔

③- اعمالِ باطنہ کے متعلق احکام۔

حدیث بالا میں دوسرے سوال کے جواب میں تصحیحِ عقائد کا ذکر ہوا ہے، پہلے سوال کے جواب میں اصلاحِ ظاہر کا مضمون آ گیا ہے، جب کہ تیسرے سوال کے جواب میں اصلاحِ باطن کے احکام کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہؓ میں جامعیت کی شان موجود تھی، اس لیے علوم کی تقسیم کی ضرورت نہیں تھی، بعد میں جب خیرالقرون سے دوری کے ساتھ ساتھ استعدادوں میں ضعف آ تا گیا تو علماءِ امت نے ان تینوں علوم کے متعلقہ احکام ومسائل کو جداجدا مدوّن کر دیا، چناں چہ:

①- عقائد واصول کے متعلق قرآن وحدیث کی ہدایات اور تعلیمات کو الگ مدون کر کے اس کا نام ''علمِ کلام'' رکھا گیا۔

②- اعمالِ ظاہرہ کے متعلق کتاب وسنت کے احکام کے مجموعے کا نام ''علمِ فقہ'' قرار پایا۔

③- اعمالِ باطنہ کے بارے میں قرآن وحدیث کی ہدایات کا نام ''علمِ اخلاق''، ''علمِ احسان'' اور ''علمِ تصوف'' رکھا گیا۔

متقدمین اہلِ علم کے نزدیک ان تینوں علوم کے مجموعے کا نام ''علمِ فقہ'' تھا، متأخرین نے استعدادوں کے ضعف کا مشاہدہ کرتے ہوئے تینوں کو الگ مدوّن کر کے جداجدا نام دے دیے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ تصوف وسلوک کوئی نو ایجاد شے نہیں، بلکہ دین کا ایک اہم اور بنیادی عنصر ہے، اس لیے دین ظاہری و باطنی دونوں قسم کے اعمال کے متعلقہ احکام کے مجموعے کا نام ہے،

اور تصوف‘ اعمالِ باطنہ سے تعلق رکھنے والے احکام کو کہا جاتا ہے، لہٰذا تصوف کو بدعت کہنا دین سے ناواقفیت کی علامت ہے۔

کیا خانقاہی نظام اور تصوف پانچویں صدی کی ایجاد ہے؟

اشکال: یہ بات بھی کی جاتی ہے کہ خانقاہی نظام اور تصوف‘ پانچویں صدی میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے شروع ہوا ہے، اس سے پہلے اَسلاف میں اس سلسلے کا ذکر نہیں ملتا ہے، لہٰذا یہ بدعت ہے۔

جواب: خانقاہی نظام کے متعلق مذکورہ اعتراض درحقیقت دینی تاریخ سے عدمِ مناسبت کی علامت ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار بنیادی مقاصد بیان کیے گئے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ‘‘ (البقرۃ:۱۲۹)

ترجمہ: ’’اے ہمارے پروردگار! اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلاوے ان کو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے ان کو۔‘‘

اسی طرح کی آیات سورۂ بقرہ (۱۵۱)، سورۂ آلِ عمران (۱۶۴) اور سورۂ جمعہ (۲) میں بھی مذکورہ ہیں۔ ان چاروں آیات پر غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مندرجہ ذیل مقاصد تھے:

① - تلاوتِ آیات۔ ② - تعلیمِ کتاب۔
③ - تعلیمِ حکمت۔ ④ - تزکیۂ نفوس۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ان تمام مقاصد کو بدرجۂ اتم پورا فرمایا، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین کے ظاہری احکام کی تعلیم دیتے تھے، وہیں ان کی باطنی اخلاقی تربیت بھی فرماتے تھے، جہاں آپ معلّم تھے وہیں مُزکّی بھی تھے اور تزکیۂ نفوس کا عظیم فریضہ بھی بحسن وخوبی ادا فرماتے تھے، گویا مسجدِ نبوی صرف مدرسہ ہی نہیں، اصلاح وارشاد کی ایک تربیت گاہ بھی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عہدِ صحابہؓ میں بھی جامعیت کی یہ شان موجود رہی، لیکن بعد میں یہاں بھی مجبوراً، بلکہ تکوینی طور پر تقسیم کار کی راہ اپنانی پڑی، اور علماء امت (جو آپ علیہ السلام کے ورثاء تھے، ان) کے ایک طبقے نے دعوت کا میدان سنبھالا، ایک جماعت نے درس وتدریس کے ذریعے دین اور علومِ دین کی اشاعت کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، اور ایک گروہ نے تزکیہ وسلوک کا فریضہ نبھایا۔ اسی طرح دین کی خدمت کے دیگر شعبوں میں بھی تقسیم کا اصول اپنایا گیا، استعدادوں کے ضعف کی بنا پر یہ بالکل فطری نظام تھا، الحمدللہ آج

تک یہ تمام کوششیں جاری وساری ہیں اور علماء امت اور مقتدایانِ ملت ہر میدان میں اپنے فرائض بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ بارك الله في جهودهم وكثّر من أمثالهم!

مذکورہ وضاحت سے معلوم ہوا کہ نظامِ تزکیہ واحسان اور اصلاح وارشاد کی بنیاد خود عہدِ نبوی میں ہی تھی، البتہ مرورِ زمانہ کے ساتھ تغیرِ احوال کی بنا پر اس کے ظاہری نظام میں تبدیلیاں آتی گئیں اور تربیت وتزکیۂ نفوس کا مقصد حاصل کرنے کی خاطر قرآن وسنت کی روشنی میں تجربات ومشاہدات سے مفید سمجھ کر بہت سے امور اپنا لیے گئے، لہٰذا خانقاہی نظام کو سرے سے دین سے خارج اور بدعت قرار دینا یا پانچویں صدی کی ایجاد باور کرانا تاریخ سے ناانصافی ہی نہیں، ایک واضح حقیقت سے چشم پوشی بھی ہے۔

کیا خانقاہیں قرآن وحدیث کی تعلیم سے دور ہیں؟

اشکال: یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ مروّجہ خانقاہی نظام، قرآن وحدیث کی تعلیم سے عاری ہے، خانقاہوں میں قرآن وحدیث کا درس نہیں دیا جاتا۔

جواب: یہ اشکال بھی درست نہیں، اولاً تو یہ مشائخِ حقہ عملی تربیت کے ذریعے قرآن وحدیث کے احکام کا ہی درس دیتے ہیں، ثانیاً تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو خانقاہیں بھی قرآن وحدیث کے غلغلوں سے گونجتی دکھائی دیتی ہیں، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن وحدیث سے شغف کسی صاحبِ نظر سے مخفی نہیں، اور ماضی قریب میں حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہوں میں باقاعدہ درسِ قرآن وحدیث کی محفلیں سجتی رہی ہیں، ان بزرگوں کے حالاتِ زندگی پر مشتمل کتب ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، آج بھی مشائخِ حقہ کی خانقاہیں ''قال الله وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کی صداؤں سے معمور رہتی ہیں۔

البتہ اگر معترضین کی مراد یہ ہے کہ تمام خانقاہیں، مدارس کیوں نہیں بنتیں؟ تو اس کا جواب گزر چکا ہے کہ آج کے دور میں ایسی جامع شخصیات کا وجود معدوم تو نہیں، لیکن نادر ضرور ہے، جو بیک وقت تمام شعبوں کو لے کر چل سکیں؛ اس لیے تقسیمِ کار کا یہ نظام بالکل فطری ہے کہ تزکیۂ نفوس اور اصلاحِ باطن کے لیے خانقاہیں ہوں اور حصولِ علم وآگاہی کے لیے مدارس کی فضائیں آباد رہیں، اگرچہ جامعیت کی وہ شان اور فضا ہر مومن کامل کی آرزوؤں کی تکمیل ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ ہمارے پیش نظر اہل سنت والجماعت کے معتبر مشائخ کی اصلاح وارشاد سے جڑی معتمد خانقاہیں ہیں، شریعت سے نابلد وبے عمل گدی نشینوں اور بدعقیدہ صوفیاء کی شطحیّات وبدعات اور گمراہی وبے راہ روی کا دفاع ہرگز مقصد نہیں۔

کیا مسنون اذکار وادعیہ، اصلاحِ نفس کے لیے کافی نہیں؟

اشکال: تصوف کے اذکار، اوراد و اشغال پر بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ کیا قرآن وحدیث میں مذکور اذکار، اوراد واشغالِ اصلاحِ نفس اور تزکیہ کے لیے کافی نہیں ہیں؟ اگر کافی ہیں تو پھر اہلِ تصوف خودساختہ اشغال، اوراد اور وظائف مریدین کو کیوں بتاتے ہیں؟

''القول الجمیل'' میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ: ''متصوّفین کے اشغال اور وظائف مقصود بالذات نہیں ہیں، مقصود تو نسبتِ باطنی ہے، یہ ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔'' (دیکھیے: ''القول الجمیل مع اردو ترجمہ شفاء العلیل ساتویں فصل، ۱۰۳ تا ۱۱۵، ایچ ایم سعید، کراچی)

اس بنیاد پر معترضین کا کہنا ہے کہ ذریعہ اور وسیلہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب اصل مقصود سے کام نہ بنتا ہو، تو یہ بات کس طرح درست ہے کہ تزکیۂ نفس اور نسبتِ باطنی' قرآن وحدیث کے اذکار اور وظائف سے حاصل نہ ہو اور صوفیاء کرام کو ان کے لیے خودساختہ وظائف اشغال تجویز کرنے کی ضرورت محسوس ہو؟

جواب: یہ نکتہ واضح رہنا چاہیے کہ دیگر بہت سے احکام کی طرح خانقاہی نظام کا ہر ہر جز تو قرآن وحدیث میں مذکور نہیں، محققین مشائخ وصوفیاء کو نہ اس کا دعویٰ ہے اور نہ ہی اس کے ثبوت کے لیے وہ بودی دلیلوں کا سہارا لینے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، بہت سے امور اگرچہ منصوص نہیں، لیکن ''مستنبط من النصوص''ضرور ہیں، اور بعض امور اکابر ومشائخ نے اپنی زندگی کے مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں خلقِ خدا کی اصلاح کے لیے مفید جان کر اختیار کیے ہیں۔ تزکیہ وسلوک کی اس ساری جد وجہد کی اصل غرض' باطنی رذائل سے نفس کی اصلاح اور حق جل مجدہٗ کے قرب ورضا کا حصول ہے، اس مقصود کے حصول کا اصل ذریعہ تو تلاوتِ قرآن اور ادعیہ واذکارِ مسنونہ کا اہتمام ہی ہے، اور اسی بنا پر مشائخِ حقہ ہمیشہ سے تلاوتِ کلام اللہ اور اذکار وتسبیحاتِ مسنونہ کو اپنے معمولات میں داخل کرتے چلے آتے ہیں، اگر کسی شخص کی اصلاحِ باطن ان ماثور ومسنون اعمال واذکار کے اہتمام سے ہوجاتی ہے تو اس کو دیگر اوراد و اشغال کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس قدر زمانۂ نبوت سے بُعد ہوتا گیا، قلوب کی بھی وہ کیفیت باقی نہ رہی اور نفوس پر مُردنی چھاتی گئی، اب لوگوں کی حالت یہ ہوگئی کہ تلاوتِ قرآن میں لطف نہیں آتا اور غیبت کی لذت سے طبائع آشنا ہیں، ایسی صورتِ حال میں آلودہ قلوب کے زنگ کو دور کرنے اور انھیں صیقل کرکے اذکار واورادِ مسنونہ اور تلاوتِ قرآن کے لطف سے مانوس کرنے کے لیے مشائخِ صوفیاء نے قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں ایسے اشغال واعمال تجویز فرمائے جن سے دل کی ظلمت دور ہو اور اعمالِ خیر کی نورانیت سے قلب معمور ہو، چناں چہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’اشغالِ صوفیہ بطورِ معالجہ کے ہیں، سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے، جیسا اصل علاج ثابت ہے، مگر شربتِ بنفشہ‘ حدیثِ صریح سے ثابت نہیں۔ ایسا ہی سب اذکار کی اصل ہیئت ثابت ہے۔ جیسا توپ، بندوق کی اصل ثابت ہے، اگرچہ اس وقت میں نہ تھی، سو یہ بدعت نہیں، ہاں ان ہیئات کو سنتِ ضروری جاننا بدعت ہے اور اس کو علماء نے بھی بدعت کہا ہے۔‘‘

(فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۲۱، ط: ایچ ایم سعید، کراچی)

چناں چہ مشائخ حقہ ان اشغال واَوراد اور اَعمال کو محض حصولِ مقصود کی خاطر تدابیر سمجھ کر ہی ان پر عمل کرواتے ہیں، ان کو عباداتِ مقصودہ یا سنت وضروری نہیں سمجھتے، نیز اپنے متوسلین ومتعلقین کو بھی وقتاً فوقتاً اس حقیقت سے آگاہ کرتے چلے آتے ہیں۔ اکابر کے ملفوظات اس پر شاہدِ عدل ہیں، لہٰذا ان اَوراد واَعمال کو مطلقاً بدعت کہنا درست نہیں، البتہ ان کو لازمی وضروری اور عباداتِ مقصودہ وسنت سمجھنا ضرور بدعت ہے۔

علمِ احسان وعلمِ تزکیہ کے متعلق چند مفید کتب

نظامِ تزکیہ وسلوک کے متعلق مزید تفصیل کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگا:

①-مسائل السلوك من كلام ملك الملوك (مسائلِ تصوف) از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

②-التشرّف بمعرفة أحاديث التصوّف از حضرت مولانا اشرف تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

③-التكشّف عن مهمّات التصوف از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

④-شریعت وطریقت کا تلازم از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

⑤-عمدۃ السلوک از مولانا زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ

⑥-تصوف کیا ہے؟ مجموعہ مقالات مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد اویس ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

⑦- رسالة المسترشدين للحارث المحاسبي رحمۃ اللہ علیہ بتحقيق وتعليق الشيخ عبدالفتاح أبو غدة رحمۃ اللہ علیہ

کیا اذکار وغیرہ کو تسبیح وغیرہ کے ذریعہ شمار کرنا ثابت نہیں؟

اشکال: صوفیاء کے ہاں اَذکار واَوراد کے لیے مروجہ تسبیح کا استعمال بھی کیا جاتا ہے، اس بابت بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ہاتھ میں تسبیح لے کر پڑھنا غلط ہے؛ اس لیے کہ عیسائی بھی اپنے ہاتھ میں تسبیح لے کر پڑھتے ہیں؟ اُن کا کہنا ہے کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی استعمال شدہ چیزیں رکھی ہوئی ہیں، ان میں ہمیں

آپ ﷺ کا عمامہ، برتن وغیرہ ملے ہیں، لیکن تسبیح نہیں ملی۔ پہلے تسبیح کا کوئی تصوّر نہیں تھا، لہٰذا تسبیح کا استعمال بدعت ہے، اور جب ہم اللہ کی عبادت کر رہے ہیں تو گن کر کیوں کریں؟

جواب: ذکر واَذکار کا شمار جس طرح ہاتھ کی انگلیوں پر ثابت ہے، اسی طرح دانوں یا کنکریوں یا گٹھلیوں پر شمار کرنے کے متعلق بھی کتبِ حدیث میں بہت سی روایات ملتی ہیں، ذیل میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

①۔''عن كنانة مولى صفية قال: سمعت صفية تقول: دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم، وبين يدي أربعة آلاف نواة أسبّح بها، قال: لقد سبّحت بهذه، ألا أعلّمك بأكثر مما سبّحت به؟! فقلت: بلى، علّمني، فقال: قولي: سبحان الله عدد خلقه.'' (سنن الترمذي، أبواب الدعوات: ٢/ ١٩٤، ط: مير محمد)

ترجمہ: ''حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میرے سامنے چار ہزار گٹھلیاں تھیں، جن کے ذریعہ میں تسبیح پڑھ رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ان گٹھلیوں کے ذریعہ تسبیح پڑھی۔ کیا میں تمہیں ان کلمات سے زائد نہ سکھلاؤں جن کے ذریعہ تم نے تسبیح پڑھی؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟! مجھے سکھلایئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم کہو: ''سبحان الله عددَ خلقهٖ'' (میں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہوں، اس کی مخلوق کی تعداد کے بقدر)۔''

②۔'' عن عائشة بنت سعد بن أبي وقاص عن أبيها أنه دخل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على امرأة وبين يديها نواة – أو قال: حصاة. تسبّح بها. فقال: ألا أخبرك بما هو أيسر عليك وأفضل؟ سبحان الله عدد ماخلق في السماء، وسبحان الله عدد ما خلق في الأرض، وسبحان الله عدد ما بين ذٰلك، وسبحان الله عدد ما هو خالق، والله أكبر مثل ذلك، والحمد لله مثل ذٰلك، ولا حول ولا قوة إلا بالله مثل ذٰلك.'' (سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب في دعاء النبي صلي الله عليه وسلم وتعوذه في دبر كل صلوة: ٢/ ١٩٦)

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عائشہ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ ان کے والد، نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ایک خاتون کے پاس گئے، ان کے سامنے گٹھلیاں تھیں، ایک اور روایت کے مطابق ان کے پاس کنکریاں تھیں، وہ ان کے ذریعہ تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ ذکر نہ بتلاؤں جو تمہارے لیے اس سے آسان اور بہتر ہے؟ ''سبحان الله عدد ماخلق في السماء'' (اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی ہے آسمانی مخلوقات کی تعداد کے بقدر)۔ ''وسبحان الله عددَ ما خلق في الأرض'' (اور اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی ہے زمینی مخلوقات کی تعداد کے بقدر)۔ ''وسبحان الله عدد مابين

ذٰلك'' (اور اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی ہے فضائی مخلوقات کی تعداد کے بقدر) ۔''وسبحان الله عدد ما هو خالق'' (اور اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی ہے اس مخلوق کی تعداد کے بقدر، جس کو اللہ تعالیٰ آئندہ پیدا کرنے والے ہیں ۔) اور اسی طرح ابتدا میں ''سبحان الله'' کے بجائے الله أكبر لگا کر یہ چاروں جملے کہے اور اسی طرح ابتدا میں الحمد لله لگا کر یہ چاروں جملے کہے اور اسی طرح ابتدا میں ''لاحول ولاقوة إلا بالله'' لگا کر یہ چاروں جملے کہے ۔''

مذکورہ دونوں روایات کو ذکر کر کے علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''والحديثان الأخران يدلّان على جواز عد التسبيح بالنوى والحصى، وكذا بالسبحة؛ لعدم الفارق؛ لتقريره صلى الله عليه وسلم للمرأتين على ذٰلك، وعدم إنكاره، والإرشاد إلى ما هو أفضل لا ينافي الجواز.'' (نيل الأوطار، أبواب صفة الصلوة، باب جواز عقد التسبيح باليد وعده بالنوى: ٢/ ٣١٦،٣١٧، ط: دار الحديث، قاهره)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں عورتوں کو گٹھلیوں یا کنکریوں پر تسبیحات پڑھتے دیکھ کر سکوت کرنا اور انکار نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل جائز ہے۔

۳- ''عن علي رضي الله عنه مرفوعا: نعم المذكّر السُّبحة.'' (أيضا: ٢/ ٣١٧)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا کہ: ''تسبیح بہترین یاد دہانی کرنے والی ہے۔''

۴- صحابہؓ میں سے حضرت ابوہریرہ وحضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کا بھی تسبیحات کو دانوں پر پڑھنے کا معمول نقل کیا گیا ہے۔ ''مصنف ابن أبي شيبة'' میں ہے:

''عن أبي النضرة عن رجل من الطفاوة قال: نزلتُ على أبي هريرة ومعه كيس فيه حصى أو نوى، فيقول: ''سبحان الله، سبحان الله، حتى إذا نفد ما في الكيس ألقاه إلى جارية سوداء، فجمعته ثم دفعته إليه.'' (كتاب الصلوة، باب في عقد التسبيح وعدد الحصى: (٥/ ٢١٧)، رقم الحديث: ٧٧٤٣، ط: إدارة القرأن)

ترجمہ: ''حضرت ابونضرہؒ ایک طفاوی شخص سے روایت کرتے ہیں، اُن کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا، ان کے پاس ایک تھیلی میں کنکریاں یا کھجور کی گٹھلیاں تھیں، وہ یہ کلمات پڑھ رہے تھے: سبحان الله سبحان الله ۔ جب تھیلی میں موجود کنکریاں یا گٹھلیاں ختم ہوگئیں تو انہوں نے وہ تھیلی ایک سانولی سی باندی کی طرف پھینکی، اس نے کنکریوں یا گٹھلیوں کو (تھیلی میں) جمع کیا، پھر انہیں تھیلی لوٹا دی۔''

۵- ''عن مولاةٍ لسعدٍ أن سعدا كان يسبّح بالحصى أو النوى.''

(أيضًا، رقم الحديث: ٧٧٤٠)

ترجمہ: ’’حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی باندی کا بیان ہے کہ وہ کنکریوں یا کھجور کی گٹھلیوں پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔‘‘

⑥-’’عن أبي هريرة أنه كان له خَيْطٌ فيه ألف عقدة، فلا ينام حتى يسبّح.‘‘

(نيل الأوطار، أيضا: ٢/ ٣١٧)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک لمبا دھاگہ تھا، جس میں ہزار گرہیں تھیں، وہ سونے سے قبل اس پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔‘‘

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ’’المِنْحة في السُبْحة‘‘ کے نام سے مستقل رسالہ لکھا ہے جو ان کے مجموعۂ رسائل ’’الحاوي للفتاوي‘‘ میں مذکور ہے، اور اس میں اس موضوع کی بہت سی احادیث وآثار جمع فرمادیے ہیں، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

’’ولم يُنقل عن أحد من السلف ولا من الخلف المنعُ من جواز عد الذكر بالسبحة، بل كان أكثرهم يعدّونه بها، ولا يرون ذٰلك مكروها.‘‘

(الحاوي للفتاوي، ص:٤١٢، ط: رشيدية)

یعنی علمائے سلف وخلف میں سے کسی نے تسبیح کے ذریعہ اذکار کے شمار کرنے سے منع نہیں کیا، بلکہ اکثر سلف کے ہاں تسبیح کے ذریعہ شمار کرنے کا معمول رہا ہے، اور وہ اسے ناپسند نہیں کرتے تھے۔ نیز حضرت مولانا محمد عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سلسلے میں ’’نزهة الفكر في سُبْحة الذكر‘‘ الملقب بـ ’’هدية الأبرار في سُبْحة الأذكار‘‘ نامی ایک رسالہ لکھا ہے، جو ان کے ’’مجموعہ رسائل‘‘ میں مطبوع ہے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ:

①-تسبیح کا استعمال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر سلف وخلف سے ثابت ہے، لہٰذا ایک ثابت شدہ چیز کو محض اس وجہ سے نہیں چھوڑا جاسکتا کہ عیسائی بھی اس کا استعمال کرتے ہیں، نیز اسے بدعت کہنا بھی درست نہیں۔

②-بعض اذکار کی مخصوص تعداد کا ذکر احادیث میں بھی ملتا ہے، ان کو شمار کرنا برا نہیں اور نہ ہی یہ گن کر عبادت کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ اور اگر گننے کے زمرے میں آئے تب بھی کوئی حرج نہیں؛ اس لیے کہ جب گن کر نماز کی رکعتیں پڑھتے ہیں، قرآنی حکم کے مطابق شمار کرکے روزے رکھتے ہیں، گن کر ہی زکات ادا کرتے ہیں تو پھر گن کر تسبیح پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے؟

③-آج کل ڈیجیٹل تسبیح کا رواج ہے، اس کے استعمال کا بھی یہی حکم ہے۔

اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ’’آپ کے مسائل اور ان کا حل‘‘ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ۴/ ۲۶۰-۲۶۱، مکتبہ لدھیانوی، کراچی

میت کے گھر کھانے کا اہتمام

عصرِ حاضر کے تناظر میں

شرکتِ جنازہ، تعزیت اور اہلِ میت و عام لوگوں کی ضیافت کا فقہی تجزیہ

مفتی محمد فیاض قاسمی

ہندوستان

تمہید

موت ایک یقینی حقیقت ہے اور اسلام نے اس موقع پر صبر، سکون، سادگی اور اخلاص کی تعلیم دی ہے۔ تعزیت کا مقصد دل جوئی، تسلی اور غم گساری ہے، نہ کہ اظہارِ نمود و نمائش اور تکلف۔ لیکن عصرِ حاضر میں اکثر علاقوں میں یہ رجحان عام ہوتا جا رہا ہے کہ میت کے اہلِ خانہ یا رشتہ دار جنازہ، تعزیت اور زیارت کے لیے آنے والوں کی خاطر بڑے پیمانے پر کھانے کا انتظام کرتے ہیں؛ کبھی اپنے خرچ سے، کبھی قرض لے کر اور بعض اوقات میت کے ترکہ سے۔ مرد و خواتین اور بچوں کا اژدحام، کھانے پر اصرار اور اجتماعی ضیافت کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ یہ مناظر شادی بیاہ کی تقریبات سے مشابہ دکھائی دینے لگتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں ہم اس رواج کا شرعی حکم قرآن و حدیث، فقہِ حنفی کے اصول اور معتبر کتبِ فتاویٰ کی روشنی میں تفصیلاً بیان کریں گے اور موجودہ عرف و عادات کے تناظر میں رہنمائی پیش کریں گے۔

مسئلے کا تعارف اور معاشرتی پس منظر

برِصغیر کے بعض علاقوں میں تعزیت کو ضیافت سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اہلِ میت پر نفسیاتی دباؤ ہوتا ہے کہ اگر کھانا نہ کھلایا تو ''کمی'' رہ گئی؛ نتیجتاً کمزور گھرانے بھی قرض لے کر انتظام کرتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل نہ صرف اہلِ میت کے لیے مشقت اور تکلیف کا باعث بنتا ہے، بلکہ شریعت کی اس روح کے

خلاف بھی ہے جو مصیبت کے وقت تخفیف، تعاون اور سادگی کی تعلیم دیتی ہے۔
لہٰذا موضوع کی حساسیت کے پیشِ نظر مجموعی طور پر اس کے تین حصے کیے جا رہے ہیں، تاکہ مسئلہ سمجھنے میں دشواری نہ ہو اور حکم شرعی واضح ہو جائے:
①- میت کے گھر والوں یا قریبی رشتہ داروں کا اس غم کے موقع پر خود اپنے اہلِ خانہ واعزہ کے لیے کھانا بنانا۔
②- تعزیت اور تکفین و تدفین وغیرہ میں شریک ہونے والے قریبی یا سسرالی رشتہ دار یا انتہائی مخلص دوست واحباب یا دور دراز سے آئے ہوئے رشتہ دار یا عام لوگ جو میت کے یہاں شب گزاری کرنے والے نہ ہوں، لیکن انہیں انتظاماً یا مصلحتاً یا مجبوراً ٹھہرنا پڑے، ان کے لیے اہلِ میت یا رشتہ داروں کی جانب سے کھانے کا انتظام کرنا۔
③- شریک ہونے والے قریب وبعید کے خاص و عام لوگ جو اسی دن واپس لوٹ جائیں گے؛ ان کے لیے معاشرتی نظام یا رواج کے زیرِ اثر اپنی رقم سے یا قرض لے کر اہلِ میت یا رشتہ داروں یا اہلِ محلہ کا باضابطہ کھانے کا انتظام کرنا اور لوگوں کا اس کھانے میں بلا جھجک شریک ہونا۔

اسلامی تعلیم اور روحِ شریعت

❶- اسلام نے وفات کے موقع پر ہمدردی، تسلی اور تعاون کی تعلیم دی ہے، نہ کہ غم زدہ گھرانے پر بوجھ ڈالنے کی، لہٰذا جس گھر میں میت ہو جائے ان کے ہمسایوں، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے لیے مستحب بلکہ مسنون اور باعثِ اجر وثواب یہ ہے کہ میت کے گھر والوں کے لیے اس دن (دو وقت) کے کھانے کا انتظام کریں اور خود ساتھ بیٹھ کر، اصرار کر کے اُن کو کھلائیں اور ضرورت ہو تو ان دو وقتوں سے زائد دنوں میں بھی کھانا کھلائیں۔ اہلِ میت کو یہ کھانا کھلانا اس وجہ سے نہیں کہ میت کے گھر میں یا میت کے گھر والوں کے لیے کھانا پکانا ممنوع ہے؛ بلکہ اس وجہ سے ہو کہ غم وحزن اور تکفین وتدفین کی مشغولیت کی وجہ سے ان کو کھانا پکانے کا موقع نہیں ملے گا۔ اس کے برعکس اگر میت کے گھر والے اپنی سہولت کے مطابق خود اپنے اور اعزہ کے لیے کھانا بنائیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور نہ ہی اُسے خلافِ غم وحزن یا معیوب سمجھا جائے گا۔
جب جنگ موتہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی، تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: ''اصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرَ طَعَامًا، فَقَدْ اَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ''، کہ ''جعفرؓ کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو، اس لیے کہ ان کو ایسا امر لاحق ہوا ہے جس

نے انہیں مشغول کر دیا ہے (یعنی جعفرؓ کی شہادت کی خبر سن کر وہ صدمہ اور رنج میں ہیں)۔‘‘

اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں ہے:

’’عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ مِنْ أَهْلِهَا، فَاجْتَمَعَ لِذٰلِكَ النِّسَاءُ، ثُمَّ تَفَرَّقْنَ إِلَّا أَهْلَهَا وَ خَاصَّتَهَا، أَمَرَتْ بِبُرْمَةٍ مِنْ تَلْبِيْنَةٍ فَطُبِخَتْ، ثُمَّ صُنِعَ ثَرِيْدٌ فَصُبَّتِ التَّلْبِينَةُ عَلَيْهَا، ثُمَّ قَالَتْ: كُلْنَ مِنْهَا، فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: التَّلْبِيْنَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ الْمَرِيْضِ، تَذْهَبُ بِبَعْضِ الْحُزْنِ.‘‘ (كتاب الطب، باب التلبينة)

ترجمہ: ’’نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب کسی گھر میں کسی کی وفات ہو جاتی اور اس کی وجہ سے عورتیں جمع ہوتیں اور پھر وہ چلی جاتیں، صرف گھر والے اور خاص خاص عورتیں رہ جاتیں تو آپ ہانڈی میں ’’تلبینہ‘‘ پکانے کا حکم دیتیں، وہ پکایا جاتا، پھر ثرید بنایا جاتا اور تلبینہ اس پر ڈالا جاتا، پھر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ اسے کھاؤ؛ کیوں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے: ’’تلبینہ مریض کے دل کو تسکین دیتا ہے اور اس کا غم دور کرتا ہے۔‘‘

اس حدیث میں جہاں میت کے اہلِ خانہ کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ کھانا بنوانے کا ثبوت ہے، وہیں یہ بھی واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے میت کے گھر آئی ہوئی سبھی عام عورتوں کے لیے کھانا نہیں بنوایا، بلکہ ان کے چلے جانے کا انتظار کرتیں اور جو خاص قریبی عورتیں رہ جاتیں ان کے لیے مع اہلِ میت کے کھانے کا اہتمام کرواتیں۔ ’’فتاویٰ شامی‘‘ میں ہے:

’’(قوله: و باتخاذ طعام لهم) قال في الفتح: و يستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم، لقوله صلى الله عليه وسلم: ’’اصنعوا لآل جعفر طعاماً فقد جائهم ما يشغلهم.‘‘ حسنه الترمذي وصححه الحاكم؛ ولأنهٗ برٌّ ومعروف، و يلح عليهم في الأكل؛ لأن الحزن يمنعهم من ذٰلك فيضعفون.‘‘

❷ - تعزیت اور تکفین و تدفین کے لیے شریک ہونے والے افراد خواہ مرد و عورت ہوں یا جوان، بوڑھے یا بچے ہوں؛ ان کے لیے فوتگی کے کھانے میں شرکت اور عدمِ شرکت کو دو شقوں میں کر کے اس طرح تفصیل سے سمجھیں کہ:

(الف) گاؤں دیہات جہاں باہر سے آنے والوں کے لیے نہ کوئی ہوٹل نہ دکان وغیرہ، نہ

کھانے پینے کی کوئی سہولت دستیاب ہو؛ بلکہ وہاں صرف کسی کے گھر سے مانگ کرہی کھایا جاسکتا ہے یا پھر بھوکا رہنا پڑے یا اگر اس علاقے میں آنے والے شخص کے رشتہ دار ہوں تو ان کے گھر کھائے، ورنہ بھوکا رہے؛ تو ایسے دیہاتوں میں فوتگی کے موقع پر دور دراز کے علاقوں سے جنازے میں شرکت کے لیے آئے ہوئے لوگوں کے لیے عدم سہولیات کے پیش نظر اہلِ میت یا رشتہ دار یا پڑوسی یا محلے والوں کی طرف سے کھانا پکانا اور کھلانا جائز ہے؛ خواہ وہ رکنے والے ہوں یا واپس لوٹ جانے والے ہوں۔

(ب) وہ علاقہ جہاں کھانے پینے کی سہولت میسر ہو، مگر جنازہ میں شرکت کے لیے آنے والے میت کے قریبی رشتہ دار یا احباب ہوں جو دور دراز کے علاقوں اور مختلف شہروں سے آئے ہوں اور وہ فوراً واپس نہیں جاسکتے اور میت سے خصوصی تعلق و رشتہ داری کی وجہ سے ان کا فوراً واپس چلے جانا مناسب بھی نہ ہو اور انھیں مجبوراً رک جانا پڑے، تو ان کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ وہ فوتگی کے کھانے سے گریز کریں، لیکن اگر چاہیں تو شریک بھی ہوسکتے ہیں؛ ان کے لیے کوئی کراہت نہیں ہے۔

''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

''ويَحِلُ (الطعام) للذين يطولُ مقامهم عندهٗ و للذي يَجِيء من مكان بعيدٍ يستوي فيه الأغنياء والفقراء ولا يجوز للذي لا يطول مسافته ولا مقامه.''

ترجمہ: ''یہ کھانا ان لوگوں کے لیے جائز ہے جو دیر تک ٹھہرنے والے ہوں اور جو دور دراز علاقہ سے آئے ہوئے ہوں، چاہے وہ مالدار ہوں یا غریب۔ البتہ ان کے لیے درست نہیں جو نہ ٹھہرنے والے ہوں اور نہ ہی دور علاقہ سے آئے ہوں۔''

اقوالِ رسول ﷺ اور صحابہؓ کا تعامل

❸-قرض لے کر کھانے کا انتظام کرنے سے تو بالکلیہ اجتناب ضروری ہے اور بلا قرض کے بھی مکروہ ہے اور جانبین یعنی اہلِ میت اور شرکت کرنے والے قریب و بعید کے عام لوگ، جنھیں مجبوراً ٹھہرنا نہ پڑے؛ دونوں کو اس سے بچنا لازم ہے۔ ان کے لیے کھانا بنوانا اور ایسے لوگوں کا کھانے میں شریک ہونا یا زبردستی انھیں شریک کرنا شرعاً درست نہیں؛ بلکہ قابلِ ترکِ عمل ہے، معاشرہ کے دینی طبقہ اور اہلِ علم وائمہ و مصلحین کو یہ رواج ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اگر اس پر نکیر نہ کی گئی اور اسے ختم کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو ''سنتِ سیئۃ'' کے ارتکاب کی بنیاد پر جو لوگ جس درجے میں ذمہ دار ہیں اس کے مطابق گنہ گار رہوں گے۔

'' مَنْ سَنَّ فی الإسلام سنةً سيئةً كان عليه وِزرُها و وِزرُ مَن عمِل بها،

الخ‘‘ (مسلم، کتاب الزکاۃ)

ترجمہ:’’جوشخص دینی امور اور اسلامی معاملات میں کسی غلط یا برے طریقہ کو قائم کرے گا، تو اس کا گناہ اس پر لازم ہوگا اور جو اس کے ایجاد کردہ طریقہ پر عمل کرے گا تو اس کا بھی گناہ اُس قائم کرنے والے شخص کو ہوگا۔‘‘

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’كُنَّا نَعُدُّ الاِجْتِمَاعَ إِلٰى اَهْلِ الْـمَيِّتِ وَصَنِيْعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهٖ مِنَ النِّيَاحَةِ.‘‘ (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز)

ترجمہ:’’ہم (صحابہؓ) میت کے گھر جمع ہونے اور تدفین کے بعد وہاں کھانا تیار کرنے کو نوحہ (ناجائز رسم) میں شمار کرتے تھے۔‘‘

گویا صحابہؓ کے نزدیک میت کے گھر کھانے کا اہتمام کرنا ناپسندیدہ اور جاہلیت کی رسم کے مشابہ تھا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

’’لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ‘‘ (موطأ إمام مالك، ابن ماجة)

’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ خود نقصان اُٹھاؤ، نہ دوسرے کو پہنچاؤ۔‘‘

فقہی اصول اور تصریحاتِ ائمہ

فقہی قاعدہ ہے:’’الضَّرَرُ يُزَالُ‘‘ (ضرر کو دور کیا جاتا ہے)، لہٰذا میت کے گھر والوں پر مالی بوجھ ڈالنا، قرض میں ڈالنا، یا معاشرتی دباؤ کے تحت کھانے کا انتظام کروانا صریح ضرر ہے۔ اس سلسلہ میں امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

’’وَأَمَّا صَنِيْعَةُ أَهْلِ الْـمَيِّتِ الطَّعَامَ لِلنَّاسِ فَهُوَ مَكْرُوْهٌ؛ لِأَنَّهٗ إِحْدَاثُ شُغْلٍ لَهُمْ.‘‘ (شرح النووي على مسلم)

ترجمہ:’’میت کے گھر والوں کا لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ اُن پر ایک نیا بوجھ ڈالنا ہے۔‘‘

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

’’وَيُكْرَهُ صُنْعُ الطَّعَامِ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ الْمَيِّتِ لِلنَّاسِ؛ لِأَنَّهٗ زِيَادَةٌ فِيْ مُصِيْبَتِهِمْ.‘‘ (المغني، ابن قدامة)

ترجمہ:''میت کے گھر والوں کا لوگوں کے لیے کھانا بنانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ ان کی مصیبت میں اضافہ ہے۔''

فقہ حنفی کی کتاب ''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

''وَ يُكْرَهُ اتِّخَاذُ الطَّعَامِ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ الْمَيِّتِ لِلنَّاسِ''(الفتاوی الهندیه، کتاب الکراهیة)

ترجمہ:''میت کے گھر والوں کا لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔''

جامع اور متوازن نتیجہ

بنابریں مندرجہ بالا نصوصِ قرآن، احادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہؓ اور فقہی تصریحات کی روشنی میں واضح اور دوٹوک حکم یہ ہے کہ وفات کے موقع پر اہلِ میت کا کھانا بنوانا، لوگوں کو کھلانا، دعوتی انداز اختیار کرنا، قرض لے کر یہ رسم نبھانا اور اس میں مرد وخواتین و بچوں کا اژدحام کرنا؛ یہ سب خلافِ سنت، مکروہ اور قابلِ ترک اعمال ہیں۔ سنت یہ ہے کہ لوگ اہلِ میت کے لیے کھانا لے کر جائیں، نہ کہ اہلِ میت لوگوں کو کھلائیں۔ اس موقع پر تمام شرکائے جنازہ کے لیے دعوتِ عام کا اہتمام کرنا قابلِ اصلاح ہے۔ کھانے کا یہ انتظام ضرورتاً صرف قریبی اعزہ کے لیے ہونا چاہیے۔ دوسروں کے لیے نہ قطعاً اس کا اہتمام کیا جائے، نہ دوسرے لوگ اس میں شریک ہوں، کیوں کہ یہ مسئلہ محض ایک رسم کا نہیں، بلکہ شریعت کے مزاج اور اُمت کے اخلاقی ڈھانچے کا ہے۔ اگر ہم نے اس موقع پر بھی دنیا داری، نمائش اور رسم پرستی کو ترجیح دی تو آہستہ آہستہ سنت مٹتی چلی جائے گی۔

علماء اور ذمہ دارانِ ملت کی ذمہ داری

اسلام نے غم کے موقع پر سادگی، اخلاص اور تعاون کا درس دیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے معاشرے کو غیر شرعی رسومات سے پاک کریں اور سنتِ نبوی ﷺ کو زندہ کریں، لہٰذا ضروری ہے کہ علماء آواز اُٹھائیں، عوام سمجھیں اور یہ غلط رواج ختم کیا جائے، اس لیے علماء کرام پر لازم ہے کہ منبر ومحراب سے تعلیم دیں کہ سنت کیا ہے اور بدعت کیا ہے؟! عملی نمونہ قائم کریں کہ تعزیت مختصر اور سادہ ہو۔ اہلِ میت کو روکتے رہیں کہ وہ کھانے کا اہتمام نہ کریں۔ لوگوں کو ترغیب دیں کہ وہ اہلِ میت کے لیے کھانا بھیجیں، نہ کہ خود اُن کے یہاں جا کر کھائیں۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

حرمین شریفین میں وتر کی نماز امام کی اقتدا میں پڑھنے کا حکم

مفتی سید انور شاہ

استاذ جامعہ بیت السلام، کراچی

حرمین شریفین میں وتر کی نماز ائمہ حرمین کی اقتدا میں پڑھنے کا مسئلہ حنفی زائرین کے لیے اُلجھن کا باعث ہے، کیونکہ احناف کے یہاں تین وتر ایک سلام کے ساتھ ہیں، جبکہ اس وقت ائمہ حرمین شریفین حنبلی مسلک کے موافق دو سلاموں کے ساتھ تین وتر پڑھاتے ہیں۔

اصولی طور پر اس مسئلہ کا تعلق مخالف فی الفروع امام (یعنی شافعی، حنبلی اور مالکی) کی اقتدا میں وتر پڑھنے سے ہے۔ اس سلسلے میں فقہائے احناف کے بنیادی طور پر دو قول مشہور ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ مخالف فی الفروع امام کی اقتدا میں حنفی کا وتر پڑھنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ امام دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرے۔ فقہائے احناف میں سے بہت سے حضرات نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے، ماضی قریب کے بعض سلف صالحین نے اسی قول کے مطابق فتویٰ بھی دیا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''امداد الاحکام'' میں اسی قول کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو، جلد:۱، ص:۵۹)

مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتاویٰ رحیمیہ میں اسی کے موافق فتویٰ دیا ہے:

''صحیح قول یہ ہے کہ اگر شافعی امام وتر دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی اس کی اقتدا نہ کرے، اسی میں احتیاط ہے۔'' (فتاویٰ رحیمیہ، ج:۶، ص:۴۱۵)

جامعہ دارالعلوم کراچی سے بھی حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں انہی کی تصدیق سے اس قول کے مطابق فتویٰ جاری ہوا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مخالف فی الفروع امام کی اقتدا میں وتر کی نماز پڑھنا مطلقاً جائز ہے، اگر چہ امام دو رکعت پر سلام پھیر دے۔ یہ قول علامہ ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ فقہائے حنفیہ میں ابوبکر

جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ بڑے پایہ کے فقیہ ہیں، امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور دو واسطوں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

اسی قول کو علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ علامہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اختیار فرمایا ہے اور خود علامہ محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ بھی اس قول کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ نیز علمائے احناف کی ایک معتد بہ جماعت کی رائے بھی یہی ہے، مثلاً فقیہ ابوجعفر الہندوانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن وہبان رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول پر فتویٰ دیتے ہوئے فرمایا:

''محققین نے مخالف فی الفروع امام کی اقتدا میں حنفی کی نماز مطلقاً جائز ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔'' (مجموعة الفتاوی، ج:۱، ص:۳۲۸، کتاب الصلوة، ط: ایچ ایم سعید، کراچی)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مخالف فی الفروع امام کی اقتدا کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے اور فرمایا کہ:

''محققین کے نزدیک حنفی کا شافعی المذہب کی اقتدا یا شافعی کا حنفی امام کی اقتدا جائز ہے۔''

(عزیز الفتاویٰ، ج:۱، ص:۲۳۹۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج:۳، ص:۱۴۳)

مندرجہ ذیل وجوہات اور دلائل کی بنیاد پر اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

❶ - اصولی طور پر اس مسئلہ کا تعلق مخالف فی الفروع امام کی اقتدا سے ہے۔ اس سلسلے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ مقتدی کے مسلک کی رعایت کا خیال رکھنا ضروری ہے یا امام کے مسلک کی رعایت کا اعتبار ہے؟! اکثر علماء کے نزدیک صحتِ نماز کے لیے مقتدی کے مسلک کا اعتبار کرنا ضروری ہے، لہٰذا اگر نماز میں امام کسی ایسے عمل کا ارتکاب کرے جو مقتدی کے مسلک کے مطابق مفسدِ صلوٰۃ ہو تو ایسے امام کے پیچھے اس مقتدی کی نماز اکثر علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے، تاہم بعض محقق علماء کے نزدیک مقتدی کے بجائے امام کے مسلک کا اعتبار ہے کہ امام کی نماز اصل کی حیثیت رکھتی ہے، لہٰذا اگر امام کی نماز اس کے مسلک کے مطابق صحیح ہو جائے تو مقتدی کی نماز بھی امام کے تابع ہو کر درست ہو جائے گی۔

فقیہ ابوجعفر الہندوانی رحمۃ اللہ علیہ، محقق العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات اسی کے قائل ہیں کہ اگر امام کے مسلک کے مطابق اُس کی نماز صحیح ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''قلت: وهذا بناءً على أن العبرة لرأي المقتدي وهو الأصح، وقيل لرأي الإمام و عليه جماعة.'' (كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج:۲، ص:۲۶۱، ط: رشيدية)

اس مسئلے کی مکمل تفصیل علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ’’باب الوتر والنوافل‘‘ میں بیان فرمائی ہے۔ بقدرِ ضرورت اختصار کے ساتھ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل کی جاتی ہے:

’’ثم قال: ظاهر الهداية أن الاعتبار لاعتقاد المقتدي ولا اعتبار لاعتقاد الإمام، حتى لو اقتدى بشافعي رآه مس امرأة ولم يتوضأ ، فالأكثر على الجواز وهو الأصح كما في الفتح وغيره، وقال الهندواني وجماعة: لا يجوز ..... ومقتضاه أن المعتبر رأي الإمام فقط.‘‘ (كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، قبيل مطلب: الاقتداء بشافعي، ج:۲، ص:۲٦۱، ط:رشيدية)

حضرت مولانا محقق علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقف کی تائید میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول نقل فرمایا ہے:

’’قلت: هٰذه المسألة مجتهد فيها، والاقتداء في جنس هذه المسائل يجوز من واحد لآخر كما في ’’الدر المختار‘‘، عند تعديد الواجبات، فصرح في ضمنه: أن المتابعة تصح عندنا في الاجتهادات كلها، وأوضحه الشافعي رحمه الله تعالى، ونقله الحافظ ابن تيمية عن الأئمة الأربعة.

... قلت: فهٰذا باب عندنا وسيع ،فيتبع الإمام في رفع اليدين والتأمين أيضا لو اتفق الاقتداء بشافعي ،وقد قدمنا الكلام فيه مبسوطًا، و يدل عليه أن الخليفة هارون الرشيد افتصد مرة فقام الى الصلوة ولم يتوضأ ، فاقتدى به ابو يوسفؒ وما ذٰلك إلا لكون الاقتداء جائزًا.‘‘

(فيض الباري على صحيح البخاري، باب كما أقام النبيﷺ: ۲/ ۵۳۲)

’’فيض الباري‘‘ میں ہی ایک اور مقام پر علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے اس مسئلے میں اجماع نقل کرتے ہوئے درِمختار میں ذکر کردہ موقف پر رد بھی کیا گیا ہے:

’’واعلم أن ابن مسعود كان يصلي خلف عثمان أربعًا، لصحة الاقتداء في المسائل المجتهد فيها، كما مر مبحثه في الطهارة‘‘ ...... ’’ونقل الحافظ ابن تيمية الإجماع على صحة اقتداء حنفي بشافعي، وكذلك كل صاحب مذهب بصاحب مذهب آخر، وصرح أن هذا هو مذهب الإمام أبي حنيفة. ومع ذٰلك نجد في ”الدر المختار“ خلافهٗ، فذهب إلى أنه لا يصح. قلت: كيف مع أن الدين واحد، والنبي واحد، والقبلة واحدة، فبعيد كل البعد أن لا يصح اقتداء حنفي بشافعي في أمر الصلاة التي هي من أهم مهمات الدين.‘‘ (فيض الباري على صحيح البخارى، باب الصلاة بمنى، ج:۳، ص:۲٤۲)

اسی طرح ایک اور مقام پر مذکورہ صورت میں اقتدا کے جواز کو محقق قرار دیتے ہوئے سلف صالحین کے عمل کا حوالہ بھی دیا ہے، نیز شیخ الہند محمود حسنؒ کے حوالے سے بھی یہی رائے نقل فرمائی ہے کہ مخالف فی الفروع امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز ہے:

’’قلت: والذي تحقق عندي أنهٗ صحيح مطلقًا سواء كان الإمام محتاطًا أم لا، وسواء شاهد منه تلك الأمور أم لا، فإني لا أجد من السلف أحدا إذا دخل في المسجد أنه تفقد أحوال الإمام أو تساءل عنه بيد أنهم كانوا يقتدون و ينصرفون إلى بيوتهم بلا سؤال ولا جواب. وفي ”فتاوى الحافظ ابن تيمية“: أن هارون الرشيد افتصد مرة ثم قام ليصلي، وكان أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ موجودًا هناك، فاقتدى به مع علم الناقض عنده. فإن قلت: كيف الاقتداء مع تيقن الإمام على عدم الطهارة عنده؟ قلت: إنما يتوجه السؤال إذا كان الإمام على أمر باطل قطعًا، وهذه المسألة مجتهد فيها، أمكن فيها أن يكون الحق إلى الإمام، وأمكن أن يكون في جانب آخر، ولذا لا يسعك أن تحكم على صلاة الآخرين أنها باطلة عند الله تعالى، ولكن يبذل الجهد و يتحرى الصواب لينال الثواب بقدر الاجتهاد....

قلت: الفرق ظاهر ونظير الشيخ ابن الهمام رحمه الله تعالى، وكذا سكوت شيخه في غير محله، فإن معاملة القبلة قطعية يمكن فصلها بالرجوع إلى الحس بخلاف النواقض، فإنه لا سبيل فيها إلى الفصل بعد اختلاف السلف فيها اختلافًا كثيرًا، فلو علم المقتدي إمامه على خطأ في مسألة التحري ينبغي أن لا تصح صلاته، بخلاف الاجتهاديات التي لا تزال الأنظار تدور فيها إلى الأبد، ووجه الفساد في المسألة المذكورة ليس ما فهمه الشيخ من مخالفة اعتقادہٖ لإمامه، بل هو ترك المتابعة لهٗ، وهي من الواجبات. وكان مولانا شيخ الهند رحمه الله تعالىٰ يذهب إلى مذهب الجصاص و يستعين بمسألة قضاء القاضي في العقود والفسوخ، فإنهٗ ينفذ ظاهرًا أو باطنًا مع شرائطها المذكورة في الفقه.‘‘

(فيض الباري على صحيح البخاري، باب مسح اليد بالتراب، ج:١، ص:٤٥٨-٤٥٧)

بہرحال! یہ قول اگرچہ غیر مشہور ہے اور عموماً فقہائے کرام نے اس کو نہیں لیا ہے، مگر ضرورت کے وقت اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ اتنے بڑے مجمع میں حنفی شخص کے لیے الگ سے وتر پڑھنا مشکل ہے۔ اور شریک نہ ہوکر بیٹھے رہنا یہ بڑے مجمع کی مخالفت اور حرمین کی جماعت سے علیحدگی ہے جو درست نہیں ہے۔ درمیان صف سے نکلنا جماعتِ مسلمین میں اختلاف کی سی شکل ہے جو کہ بالکل مناسب نہیں۔

اسی طرح وتر کی جماعت کے دوران صف میں کھڑے ہوکر الگ سے اپنی وتر پڑھنا اور زیادہ برا ہے، لہٰذا حرمین شریفین میں جماعت کی فضیلت حاصل کرنے اور مجمع کی مخالفت سے بچنے کے لیے، نیز عدم اقتدا کی صورت میں بعض دیگر محظورات سے بچنے کے لیے اس دوسرے قول پر عمل کرتے ہوئے ائمہ حرمین

کی اقتدا میں وتر پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، یعنی وتر ادا ہوجائے گی، دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

❷ - یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اور اجتہادی مسائل میں جانبِ مخالف کو باطل محض نہیں کہا جا سکتا، یعنی اجتہادی مسائل میں کوئی بھی دوسرے کو قطعی طور پر غلط اور غیر صحیح نہیں کہہ سکتا۔

مسائلِ اجتہادیہ کے اختلافات حق و باطل کی سطح کے نہیں ہوتے، بلکہ صواب و احتمالِ خطا کے دائرے کے ہوتے ہیں، یعنی جو موقف ہم نے اختیار کیا ہے وہ صواب ہے، لیکن محتملِ خطا ہے، جبکہ جانبِ مخالف کا موقف خطا پر مبنی ہے، مگر اس میں صواب کا احتمال بھی موجود ہے، ضرورت کے موقع پر ایسے مسائل میں توسع اختیار کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، لہٰذا اس پہلو کی رو سے بھی ائمہ حرمین کی اقتدا میں فصل کے ساتھ وتر پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، خاص کر جب اس کی بنیاد بھی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح حدیث ہے اور اس پر بہت سارے اہلِ علم صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا عمل رہا ہے۔

نیز مذکورہ مسئلے کے متعلق اس حدیث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ امام کی نماز اصل کی حیثیت رکھتی ہے: ''الإمام ضامن'' یعنی جب امام کی نماز اس کے مسلک کے مطابق صحیح ہوجائے تو مقتدی کی نماز بھی درست ہوجائے گی۔ حنفیہ نے اس اصول کو اقتدا کے سارے مسائل میں لیا ہے، لہٰذا اس مسئلے میں بھی اس اصول کو لیا جا سکتا ہے۔

''وفي فتح القدير: قلنا المقتدي يرى جوازها والمعتبر في حقه رأي نفسه لاغيره، وقول أبي بكر الرازي إن اقتداء الحنفي بمن يسلم على رأس الركعتين في الوتر يجوز و يصلي معه بقيته لأن إمامه لم يخرجه بسلامه عنده لأنه مجتهد فيه، كما لو اقتدى بإمام قد رعف يقتضي صحة الاقتدا وإن علم منه ما يزعم به فساد صلاته بعد كون الفصل مجتهدًا فيه. وقيل إذا سلم الإمام على رأس الركعتين قام المقتدي فأتم منفردا، وكان شيخنا سراج الدين يعتقد قول الرازي، وأنكر مرة أن يكون فساد الصلاة بذلك مرويًا عن المتقدمين حتى ذكرته بمسألة الجامع في الذين تحروا في الليلة المظلمة وصلى كل إلى جهة مقتدين بأحدهم، فإن جواب المسألة أن من علم منهم بحال إمامه فسدت لاعتقاد إمامه على الخطإ. وما ذكر في الإرشاد لا يجوز الاقتداء في الوتر بإجماع أصحابنا لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل ... وما ذكر في الإرشاد لايجوز الاقتداء في الوتر بإجماع أصحابنا، لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، يخالفه ما تقدم من اشتراط المشايخ في الاقتداء بشافعي في الوتر أن لا يفصله، فإنه يقتضي صحة الاقتداء عند عدم فصله.''

(باب صلوة الوتر، ج:١، ص:٤٣٧. وكذا في حاشية ابن عابدين، باب الوتر والنوافل، ج:٢، ص:٨)

جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال

محمد اعجاز مصطفیٰ

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث، جامعہ کی سب سے قدیم شاخ مدرسہ تعلیم الاسلام سہراب گوٹھ کے نگران اور جامع مسجد گلشنِ عمرؓ کے امام وخطیب حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۳۰/رجب المرجب ۱۴۴۷ھ مطابق ۲۰/جنوری ۲۰۲۶ء بروز منگل مختصر علالت کے بعد وصال فرما گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ ولهٗ ما أعطىٰ وكل شيء عندهٗ بأجل مسمّٰى !

آپ صوبہ خیبر پختون خوا کے ضلع صوابی میں واقع گندف نامی گاؤں میں ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی مولانا عبدالجلیلؒ عالم دین تھے۔ آپ نے دارالعلوم نانک واڑہ میں قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد درسِ نظامی کے لیے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لیا، درجہ ابتدائیہ تا دورۂ حدیث مکمل تعلیم یہیں حاصل کی اور ۱۹۷۴ء میں فاتحۂ فراغ پڑھا۔ اسی سال عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے مرکزی امیر محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کی سرپرستی میں تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۷۴ء چلی، تو حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ صاحبؒ نے بھی اس سلسلہ میں گرفتاری پیش کی اور آپ کئی دن جیل میں رہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ جب آپؒ کے محبوب استاذ محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک کی قیادت کے لیے پنجاب تشریف لے جارہے تھے تو آپؒ نے حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی قدس سرہٗ کو بلاکر فرمایا کہ اگر تحریک کامیاب ہوگئی تو واپس آجاؤں گا، ورنہ اپنا کفن ساتھ لے جارہا ہوں، میری نعش ہی اس میں لپٹی واپس آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کے اخلاص، دعاؤں اور توجہات کی برکت سے اس تحریک کو کامیابی اور سرخروئی نصیب فرمائی۔

حضرت قاری صاحبؒ کے اساتذۂ کرام میں محدث العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی، حضرت مولانا فضل محمد سواتی، حضرت مولانا محمد بدیع الزمان، حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہ، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن، حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمہم اللہ شامل ہیں۔

جامعہ میں آپ کی تقرری حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی، ساتھ ہی سہراب گوٹھ ایف بی ایریا کے علاقے میں ایدھی سینٹر کے پہلو میں واقع مسجد اور مکتب ان کے سپرد کیا، جو آج جامع مسجد گلشن عمرؓ اور مدرسہ تعلیم الاسلام کے نام سے جامعہ کی شاخ کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ اس وقت یہ مسجد محض ایک چھپر نما جگہ تھی، کھارا پانی ہوتا تھا، مسجد کی چاردیواری بھی قائم نہیں ہوئی تھی اور کوارٹر نما جگہ میں حضرت قاری صاحبؒ کی رہائش ہوتی تھی۔ حضرت بنوریؒ کے زمانے میں قائم شدہ اس شاخ میں فقط قرآنی مکتب قائم ہوا تھا، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے دورِ اہتمام اور قاری صاحبؒ کی نگرانی میں مدرسہ تعلیم الاسلام گلشن عمرؓ میں تعمیرات ہوئیں، درسِ نظامی کی تعلیم کا آغاز ہوا اور آج سیکڑوں طلبہ وہاں زیرِ تعلیم ہیں، درجہ سابعہ تک تعلیم دی جاتی ہے۔ حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۷۵ء سے اپنے وصال تک پچاس برس سے زائد عرصہ درس وتدریس اور مسجد کی امامت وخطابت سے وابستہ رہے۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن مرکز میں بھی تدریس کرتے رہے، جہاں آپ نے درسِ نظامی کی ابتدائی کتب سے لے کر دورۂ حدیث تک کی کتب کی تدریس فرمائی، سالہا سال حدیث شریف کی معروف کتاب ’’شرح معاني الآثار‘‘ (طحاوی شریف) کا درس دیا۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد صحیح بخاری جلد ثانی کا درس دیتے رہے اور ۲۰۲۴ء میں جامعہ کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد انور بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد آپؒ شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور صحیح بخاری جلد اول کا درس دیتے رہے۔ طویل عمر حدیث شریف پڑھانے کی برکت اور کرامت آخر میں یوں ظاہر ہوئی کہ سالِ رواں بھی صحیح بخاری کے اسباق مکمل فرما کر تعلیمی سال کے اختتام پر سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کے ساتھ بڑا گہرا شغف عطا فرمایا تھا، عاشقِ قرآن تھے، حسنِ صوت کی نعمت سے مالا مال تھے۔ تمام مصروفیات کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کا بلاناغہ اہتمام تھا، جو تین پارے روزانہ سے شروع ہو کر آخری عمر میں روزانہ ایک قرآن کی تکمیل تک پہنچ گیا تھا۔ تقریباً پچپن برس تراویح میں قرآن کریم سنانے کی توفیق نصیب ہوئی۔

مزاج ولباس میں نہایت سادگی تھی، تکلفات سے آپ کوسوں دور تھے۔ نحیف جسم مگر مضبوط، توانا

اور نہایت خوبصورت آواز کے مالک تھے، جلال و جمال کے جامع تھے، خداوندکریم کی جانب سے بے پناہ حافظہ عطا ہوا تھا، اردو، فارسی، عربی اور پشتو کے اشعار خوب یاد تھے، موقع بموقع ترنم کے ساتھ اشعار سناتے اور دلوں کو تسکین فراہم کرتے۔

علالت سے محض پانچ روز قبل گیارہ جنوری کو جامعہ غفوریہ میں بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا اور پُرسوز آواز میں یہ شعر پڑھا: ''زندگی بس بندگی کا نام ہے اور زندگی بے بندگی ناکام ہے۔'' اس درس میں روزِ قیامت اور آخرت کی پیشی پر گفتگو کی۔ پانچ دن بعد دل کے عارضے کی بنا پر ہسپتال میں داخل کیے گئے، تین دن ہسپتال میں زیرِ علاج رہے، اس دوران بھی تمام نمازیں مقررہ اوقات پر ادا کرتے رہے۔ جس روز انتقال ہوا، اس شب تہجد اور فجر کی نماز وضو کر کے کھڑے ہو کر ادا فرمائی، اور چاشت کے وقت دنیا سے کوچ فرما گئے اور اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ کوئی قضا نماز آپ کے ذمہ میں نہیں تھی۔ آپ کے جسد خاکی کو مدرسہ تعلیم الاسلام گلشن عمرؓ لے جایا گیا اور شام کو جامعہ بنوری ٹاؤن لایا گیا، قدیم دورۂ حدیث میں زیارت کے لیے رکھا گیا، چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہا تھا اور آنحضرت ﷺ کی مبارک دعا کا حقیقی معنوں میں مصداق بنے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اللہ اس شخص کو تر وتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی، اور جیسے سنا تھا ایسے ہی آگے پہنچا دیا۔'' (ترمذی)

بعد نمازِ عشاء ایک جم غفیر نے جامع مسجد بنوری ٹاؤن میں میں جنازے کی نماز ادا کی، جس میں رئیسِ جامعہ حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری، نائب رئیس حضرت مولانا سید احمد یوسف بنوری، جامعہ کے ناظمِ تعلیمات، اساتذہ، طلبہ اور آپ کے اعزہ واقرباء کے علاوہ بہت بڑی تعداد آپ کے جنازے میں شریک ہوئی۔ اس کے بعد رشید آباد کراچی میں آپؒ کے خاندانی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ آپؒ نے اپنے پسماندگان میں دو بیوہ، تین صاحبزادے، چار صاحبزادیاں اور دنیا بھر میں موجود تلامذہ چھوڑے ہیں، جوان شاء اللہ آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوں گے۔ نیز پوری دنیا میں بالواسطہ اور بلاواسطہ آپ کے ہزاروں شاگرد اور فیض یافتہ دین کی نشر واشاعت میں مصروف ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آپؒ کی جملہ حسنات کو قبول فرمائے، آپؒ کے لواحقین، متعلقین اور جملہ تلامذہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آپؒ کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، آپؒ کے بچوں کی کفالت وکفایت فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین، وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا محمّد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین!

استاذِ محترم قاری مفتاح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

چند قابلِ تقلید اوصاف

مولانا نور الرحمٰن
استاذِ جامعہ

استاذ محترم قاری مفتاح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مُوَفَّقْ مِنَ اللہ تھے، حضرت استاذ محترم سے میرے تعلق کو ایک عرصہ دراز گزرا ہے، حضر اور سفر میں رفاقت رہی۔ جہاں تک میرا گمان ہے، جن اعمالِ صالحہ کی وجہ سے کوئی شخص ولایت کو پہنچتا ہے اور نیک وصالح آدمی کے جو اوصاف قرآن کریم یا احادیثِ مقدسہ میں ہیں، حضرت استاذ محترم ان صفات کے جامع تھے۔

ذوقِ عبادت

اسلام میں پہلی چیز نماز ہے، حضرت استاذ جی کی نماز حالت حضر وسفر میں قضا ہوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھی، اور نہ جماعت کا ناغہ میرے علم میں ہے، اور تہجد کے اہتمام کا تو میں چشم دید گواہ ہوں، مردان، بونیر، سوات، پشاور وغیرہ کے بعض اسفار میں مجھے ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، سردیوں کے موسم میں رات کو تین بجے اُٹھتے، اور کھڑے ہو کر تہجد پڑھتے، اور ایک مرتبہ ان کے گاؤں کے گھر میں جانا ہوا تو دیکھا کہ رات تہجد میں قاری صاحب ستون کی طرح کھڑے ہیں، اور کمال یہ تھا کہ اس قدر اخفا سے کام لیتے تھے کہ نہ لائٹ کھولتے اور نہ طہارت وغیرہ حاصل کرنے کے لیے آنے جانے میں زور سے قدم رکھتے، نہ کھانستے، نہ زور سے تلاوت کرتے، اور تہجد کی نامعلوم کتنی رکعت مکمل کرنے کے بعد کمبل اوڑھ کر ذکر کرتے، اور جب معلوم ہوجاتا کہ ساتھی اُٹھ گئے ہیں، تو پھر فرماتے کہ: لائٹ کھول دو، اور مجھے قرآن کریم دو، پھر دیکھ کر تلاوت فرماتے، اور فرماتے کہ دیکھ کر پڑھنے میں پارہ جلدی مکمل ہوجاتا ہے، اور دس منٹ میں پارہ مکمل کرتے۔

شوقِ تلاوتِ قرآن کریم

کئی سال سے روزانہ بلا ناغہ مکمل ایک قرآن کریم پڑھنے کا معمول رہا، مجھے تو صرف امتحان کے دنوں میں پتہ چلتا، کیوں کہ صبح میں آٹھ بجے آتا تو استاذ محترم سات یا ساڑھے سات بجے امتحان ہال میں پہنچ چکے ہوتے تھے، اور جب میں آ کر دیکھتا تو سورۂ آل عمران کبھی تیسرا پارہ اور کبھی چوتھا پارہ پڑھ رہے ہوتے تھے، اور صبح ۱۰ بجے اور کبھی ۱۱ بجے تک ۱۵ پارے اور کبھی ۱۸ پارے پڑھ چکے ہوتے تھے، اور اگلے دن پھر یہی ترتیب ہوتی، اور مجھے فرماتے کہ الحمد للہ میں روزانہ ایک قرآن کریم کی تکمیل کرتا ہوں، لیکن کسی کو بھی بتانا نہیں، میں کہتا کہ استاذ محترم اس بات کو ہضم کرنا تو بہت مشکل ہے۔

ایک مرتبہ زامبیا کا سفر ساتھ ہوا، استاذ جی کو مستقل بخار تھا، لیکن معمولات میں فرق آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا، وہاں گھومنے پھرنے اور تفریح کی جگہ تھی اور مقامی لوگوں کی خواہش ہوتی کہ قاری صاحب ساتھ جائیں، لیکن فرماتے: میری طبیعت صحیح نہیں ہے، میری طرف سے اجازت ہے، آپ لوگ چلے جائیں۔ ایک مرتبہ ایک مقامی مولانا صاحب نے ایک پارک میں کھانے کی دعوت رکھی، اور بہت ہی پرتکلف کھانے کا انتظام کیا، اور وہاں پارک میں نظارہ کرنے کی مختلف چیزیں تھیں، انہوں نے قاری صاحب سے کہا کہ ذرا چکر لگا کر دیکھیں، فرمایا: مجھے کمرے میں لے جاؤ، مجھے آرام کرنا ہے، آپ لوگ جائیں، ہم گئے، واپس آ کر دیکھا تو بجائے آرام کرنے کے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، اور پھر ایک نوجوان قاری صاحب نے تلاوت کی، تو قاری صاحب زار و قطار رونے لگے، پھر قاری صاحب سے درخواست کی گئی تو قاری صاحب نے بھی سورۂ نور کے رکوع ''اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ'' کی چند آیات نہایت دل سوز لہجے میں تلاوت فرمائیں۔

اگر میں کبھی کہتا کہ فضلاء کرام کا تقاضا ہے کہ آپ آ جائیں، ہم بھی آپ کی رفاقت میں تفریح کر لیں گے تو فرماتے: میں گھر پر اچھا ہوں، سفر پر جانے سے معمولات میں کمی آتی ہے، جس کا مجھے دکھ ہوتا ہے۔ چناں چہ تین سال پہلے ہم لوگ حضرت قاری صاحب کے ساتھ تکمیلِ قرآن کے سلسلہ میں نواب شاہ گئے، وہاں مولانا عرفان صاحب شہیدؒ، جو مولانا عطاء الرحمٰن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ (سابق ناظم تعلیمات جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن) کے ساتھ جہاز حادثہ میں شہید ہوئے تھے، ان کے ایک بچے کا ختم تھا، اگلے دن قاری صاحب نے مجھے کہا کہ کل گزشتہ میں نے تلاوت نہیں کی تھی، یہ سوچ کر کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: میرا یہ بندہ اپنے مقام میں حالتِ حضر میں جو نیک اعمال کرتا تھا وہ سفر میں جانے کی وجہ سے نہیں کر پاتا تو ان کے لیے اس کا اجر وثواب لکھتے رہو تو میں نے سوچا کہ جب مفت میں اجر مل رہا ہے تو اپنے آپ کو کیوں تھکاؤں؟ جب شام کو گھر آیا

تو دل میں بار بار یہ خیال آتا رہا کہ آج تلاوت کیوں نہیں کی؟ اور اتنی شدت سے دل میں یہ بات آ رہی تھی کہ میں کروٹیں لیتا رہا، لیکن نیند نہیں آ رہی تھی، تو دو بجے میں اُٹھا، اور تہجد کے بعد قرآن کریم شروع کیا، اور دن کو ۱۰ بج کر ۱۰ منٹ پر ایک قرآن اور سورۂ بقرہ کی تلاوت الحمدللہ پوری کی، اور دعا کی۔

روزانہ ایک قرآن کریم مکمل پڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک ہزار مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا اور دیگر چند آیات کا مخصوص تعداد میں پڑھنے کا معمول الگ تھا، اور مغرب کے بعد اوابین کے بھی بہت زیادہ پابند تھے، فرماتے کہ: ابھی زیادہ تو اختیار میں نہیں ہے، چلتے پھرتے قرآن کریم پڑھنے کی عادت ہوگئی ہے، فرماتے کہ: صبح گھر سے جامعہ آتا ہوں تو راستے میں آدھا پارہ پڑھ لیتا ہوں، واپسی میں آدھا پونا پارہ پڑھ لیتا ہوں، پھر ظہر کی نماز کی اذان سے پہلے جامعہ میں وضو کر کے صف اول میں بیٹھ کر تقریباً ڈھائی پارے پڑھ لیتا ہوں، اور ظہر کے بعد (جس زمانے میں بعد ظہر پہلا گھنٹہ ہوتا تھا) گھنٹے میں جانے سے پہلے ایک پارہ پڑھ لیتا ہوں، اور ایک پارہ زمانۂ دراز تک فجر کے بعد کسی طالب علم کو سنانے کا معمول رہا، چاہے بارش ہو، گرمی ہو، سردی ہو، عید کا دن ہو یا جمعہ کا، اس میں ناغہ نہیں کرتے تھے۔

جذبۂ ایثار و اِنفاق

قاری صاحب اس قدر علیل اور بیمار تھے کہ ہائی شوگر کی وجہ سے فرماتے کہ: رات کو ٹانگوں میں سخت درد ہوتا ہے، کبھی پیروں کو سمیٹتا ہوں، کبھی پھیلاتا ہوں۔ ہائی بلڈ پریشر کے بھی مریض تھے، اور فرماتے تھے کہ: بلڈ پریشر ہائی ہونے کی وجہ سے ایسے افراد کو غصہ کر لیتا ہوں جس کا افسوس پھر زندگی بھر رہتا ہے اور اس کے لیے دعا بھی کرتا ہوں، اور متعلقین سے بھی دعا کی درخواست کرتا ہوں اور ان کو کہتا ہوں کہ مجھے معذور سمجھیں اور معاف کریں۔ عجیب بات تھی کہ قاری صاحب کا غصہ چند منٹ سے زیادہ نہیں دیکھا گیا، پہلے ڈانٹ پلاتے، اور ایک منٹ کے بعد فرماتے: بیٹھ جاؤ۔ اگر کھانے کا وقت ہوتا تو فرماتے کہ: کھانا کھالو، اگر ناشتے کا وقت ہوتا تو فرماتے: ساتھیوں کو بٹھاؤ اور ناشتہ کرلو۔ جمعہ کے دن تقریباً مہینے میں ایک بار صبح کا ناشتہ قاری صاحب کے ساتھ ہوتا۔ جب سے میں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ پڑھا تھا کہ خدمت کا مقصد راحت پہنچانا ہے نہ کہ بڑوں کو زحمت اور تکلیف دینا، تو اس کے بعد سے صبح کا ناشتہ میں خرید کر لے جاتا، اور ان کے ساتھ مل کر کرتا، اور احتیاطاً ان کے خادمین طلبہ اور گھر والوں کی رعایت کر کے اس لحاظ سے لے کر جاتا اور کہتا کہ: یہ حصہ گھر والوں کا ہے اور یہ اپنے کھانے کے لیے ہے، لیکن حضرت قاری صاحب سختی سے منع فرماتے کہ: گھر بھیجنے کی ابھی کوئی ضرورت نہیں ہے، سارے ساتھی پہلے کھالیں، پھر جو بچ جائے گا فیصلہ کریں گے، ابھی رکھو۔ میں چوں کہ چائے نہیں پیتا، بلکہ گرم دودھ میں پتی اور گڑ ملا کر پیتا ہوں، تو مستقل صرف میرے لیے الآصف اسکوائر سے

گڑ منگوا کر رکھتے تھے، اور کلوآدھا کلو دودھ گرم کر کے صرف میرے سامنے رکھواتے کہ یہ آپ کا حصہ ہے۔

اور ضرورت مند لوگ کثرت سے قاری صاحب کے پاس آتے تھے اور قاری صاحب ان کو پیسے بھی دیتے تھے۔ انتقال سے ایک دو دن پہلے جامعہ کے ایک فاضل خدمت کے لیے ساتھ تھے، وہ کہتے ہیں کہ اپنی جیب سے پیسے نکالے اور فرمایا: ان کو گن لو، کتنے ہیں؟ ایک لاکھ سے زیادہ تھے، فرمایا: دیکھو! مجھے اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں، میں نے کسی سے بھیک تو نہیں مانگی، آپ روزانہ ایک ہزار مرتبہ یا وھاب پڑھا کریں، آپ کو بھی اللہ تعالیٰ دیں گے اور پھر کچھ پیسے مجھے دیے تو میں نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ آپ کو دیتے ہیں، لیکن آپ جمع رکھتے بھی تو نہیں ہیں، ایک طرف سے آئے اور دوسری طرف خرچ کیے۔

عاجزی وتواضع اور اِخفا پسندی

اگر جامعہ کا کوئی فاضل مہمان ملاقات کے لیے آتا تو جماعت کی نماز اُن سے پڑھواتے اور پھر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے کہ الحمد للہ بہت اچھی قراءت کی، اچھی نماز پڑھائی، اللّٰھم زد فزد!

مجھے فرمایا کہ میں شہرت سے بہت ڈرتا ہوں اور مستقل دعا کرتا ہوں کہ: یا اللہ! مجھے شہرت سے بچانا اور فرماتے کہ: مولوی نصیر الدین صاحب کا بھی خلیفہ ہوں، لیکن میں نہ خود بزرگوں کے پاس زیادہ جاتا ہوں، نہ اپنے ہاں بلاتا ہوں، اس لیے کہ آج کل کے بعض بزرگ اپنی شہرت کے لیے خلافتیں بانٹتے ہیں، اگر کسی مشہور ادارہ کا کوئی استاذ ان کی مجلس میں چلا جائے تو ان کو خلافت دے دیتے ہیں یا ان کا نام لیتے ہیں کہ میرے پاس تو فلاں تمہارے استاذ بھی استفادہ کے لیے آتے ہیں اور فلاں ادارہ کے فلاں میرے خلیفہ ہیں۔ اگر کسی ادارے والے آکر کہتے کہ ہمارے ہاں ختم بخاری کی تقریب ہے، آپ تشریف لائیں گے؟ تو فرماتے کہ: اگر میں کراچی میں ہوا تو آؤں گا، اگر وہ کہتا کہ اگر آپ ابھی سے بتادیں گے تو ہم اشتہار میں آپ کا نام دے دیں گے، بس! پھر تو صاف انکار کرتے کہ اشتہار بازی کی کیا ضرورت ہے؟ اگر اشتہار میں میرا نام دیتے ہو تو میں ابھی سے منع کرتا ہوں کہ نہیں آؤں گا۔ اور فرماتے کہ: میں اہل اللہ کی بددعا سے بہت ڈرتا ہوں، یہ لوگ جب ناراض ہوجاتے ہیں تو ان کی بددعا آدمی کو تباہ کر دیتی ہے، تو میں دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! اپنے نیک بندوں کی بددعا سے بچانا۔

''جو بزرگوں کی ابتدا دیکھے کامیاب اور جو بزرگوں کی انتہا دیکھے ناکام۔'' یہ جملہ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آپ بیتی میں فرمایا ہے۔ حضرت قاری صاحب نے اپنی ابتدا کے بارے میں فرمایا کہ: ہم لوگ کیماڑی میں رہتے تھے اور میں لی مارکیٹ میں ایک مدرسہ میں حفظ کرتا تھا، پیسے نہیں ہوتے تھے اور تقریباً ڈھائی سال میں صبح پیدل آتا اور شام کو پیدل جاتا۔ اس طرح غربت کے ساتھ میں نے حفظ کیا ہے۔

خودداری

قاری صاحب کے گاؤں میں جو گھر ہے وہاں پانی کا انتظام نہیں تھا، مجھ سے ایک دن فرمایا کہ: میرے بھائی جو وہاں رہتے ہیں، ان کو اور پڑوس والوں کو بڑی تکلیف ہے، تو میں نے کہا کہ: آپ نے کسی کو کہا نہیں؟ تو فرمایا: میں از خود کسی سے نہیں کہتا اور کوئی اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ ایسا آیا نہیں جس نے خود درخواست کی ہو، استاذ محترم کے بعض تلامذہ کو صورت حال کا علم ہوا تو انہوں نے وہاں بورنگ کا کام کرا لیا۔

انتقال سے ایک دن پہلے ہسپتال میں اس کا تذکرہ کیا کہ بعض دوستوں کی توجہ سے گاؤں میں پانی کا انتظام ہو گیا، اور الحمدللہ سارے پڑوس والے پانی بھر کر لے جاتے ہیں، حالانکہ اگر حضرت قاری صاحب از خود اپنے بعض تلامذہ کو اشارہ کر دیتے تو یہ حضرات پہلے ہی بندوبست فرما دیتے۔

اسباق کی پابندی

موجودہ نوجوان مدرسین کے لیے سبق آموز بات ہے، پچھلے سال حضرت قاری صاحب کے بڑے بھائی جو مؤذن صاحب سے مشہور ہیں، ان کو فالج ہوا، وہ سول ہسپتال کی ایمرجنسی میں تھے، ان کی غیر موجودگی میں ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا، ادھر گھر میں بھابھی کی میت اور اُدھر ہسپتال میں بھائی کی بیماری! اور قاری صاحب نے اس دن بھی پانچ منٹ کا ناغہ نہیں کیا، غالباً فجر کے بعد انتقال ہوا اور سات بجے سبق پڑھانے کے لیے آئے، اور طلبہ کو محسوس بھی نہیں ہونے دیا کہ میری بھابھی کا انتقال ہوا اور میرا بھائی ہسپتال میں ہے۔ جب مجھے پتہ چلا کہ قاری صاحب آج کے غم اور میت ہو جانے کے باوجود آئے ہیں تو میں نے قاری صاحب سے کہا: حضرت! آپ لوگوں نے ہمارے لیے معاملہ بہت مشکل بنا دیا۔ فرمایا کہ: کیا کریں؟ بغیر پڑھانے کے چین نہیں آتا، وہاں گلشن عمرؓ سہراب گوٹھ میں بیٹھ کر کیا کرتا، وہاں بیٹھنے سے تو میت واپس نہیں آسکتی۔ پھر فرمایا: جو بھائی بیمار ہیں ان کو اطلاع کروں یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ وہ برداشت نہ کر سکے، بالآخر مشورہ سے یہ طے ہوا کہ بلا لیا جائے، چناں چہ وہ نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے ایمبولینس میں لائے گئے۔

تدریسی کمال

حضرت مولانا عبدالرؤف ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ہماری جامعہ میں میری معلومات کے مطابق دو آدمی ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ صحیح معنوں میں مدرس ہیں، اس لیے کہ یہ دونوں حضرات کتاب دانی بھی جانتے ہیں اور فن دانی بھی، ایک مولانا محمد انور بدخشانی صاحب اور دوسرے قاری مفتاح اللہ صاحب، اور واقعی ان کی کتاب دانی وغیرہ کے جہاں اور اسباب ہیں وہاں ان دونوں کا

غضب کا حافظہ بھی تھا، اور قاری صاحب کا حافظہ تو اب تک ویسا ہی رہا، جیسے ۲۰ رسال پہلے دیکھا گیا، شاید یہ قرآن عظیم کی کثرتِ تلاوت کی برکت تھی۔ اور حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب ﷫ فرماتے تھے کہ: میرے مطالعہ کی کتابیں تین جگہ پر ہیں:

❶- میری گاڑی میں، جب بھی کہیں جاتا ہوں تو راستے میں کتاب پڑھتا ہوں۔

❷- میری تپائی پر، جہاں میں مطالعہ کرتا ہوں۔

❸- تکیہ کے پاس، جہاں سوتا ہوں تو جب تک جاگ رہا ہوتا ہوں تو کتاب دیکھتا ہوں۔

سبحانی مسجد پٹیل پاڑہ میں جب استاذ محترم امام وخطیب تھے تو ڈاکٹر امجد علی صاحب جو لیاقت نیشنل ہسپتال میں دل کے امراض کے تجربہ کار ڈاکٹر اور مدرسہ ابن عباسؓ (گلستانِ جوہر) کے بانی تھے، وہ استاذ محترم سے ''حجة الله البالغة'' پڑھنے کے لیے مغرب کے بعد تشریف لاتے اور عشاء تک پڑھتے، اکثر لائٹ چلی جاتی تو جلدی سے اپنی گاڑی میں بٹھا کر وہاں جاتے جہاں بجلی ہوتی تھی، ایسا نہیں تھا کہ بجلی گئی تو چھٹی کر لی۔

آخری لمحات

حضرت استاذ محترم قاری صاحب ﷫ تقریباً ۵۰ سال امامت وخطابت فرماتے رہے، اور فجر کی نماز کے بعد پابندی سے درسِ قرآن کریم دیتے رہے، اور جب موت آئی تو طبیعت آخر تک بحال تھی، تہجد کی نماز اور فجر کی نماز بھی پڑھی، اور پھر کچھ دیر سو گئے، پھر اُٹھے معمولی ناشتہ کر کے وضو تازہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے، اور آ کر بستر کے قریب پہنچ کر مولانا انور صاحب (استاذ مدرسہ تعلیم الاسلام گلشن عمرؓ) جو اُن کے ساتھ تھے، ان کو فرمایا کہ مجھے پکڑ لیں، میں گر رہا ہوں، انہوں نے بستر پر بٹھایا، لیٹ گئے، اور اپنی تلاوت شروع کی، اور ''فارق الدنیا و لسانهٗ رطبا من ذکر الله'' کی حالت میں رب سے جا ملے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون ، إن لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيء بأجل مسمى، اللّٰهم اغفر له وارحمه وأكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الذنوب كما ينق الثوب الأبيض من الدنس، اللّٰهم اجعل قبرهٗ روضة من رياض الجنة.

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ رحمۃ اللہ علیہ

مولوی نظام الدین
متعلم دورہ حدیث، جامعہ

منتخب اوصاف وملفوظات

۳۰ رجب المرجب ۱۴۴۷ھ بروز منگل وفاق المدارس کے امتحان کے چوتھے پرچے میں درد وغم سے بھری ہوئی یہ خبر سننے کو ملی کہ استاذ محترم حضرت اقدس مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب اس فانی دنیا سے رحلت فرما گئے، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

حضرت استاذ جی نے قابلِ رشک کامیاب زندگی بسر کی۔ نہایت خلیق، ملنسار اور باغ و بہار شخصیت تھے، تواضع اور مسکنت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، بایں ہمہ زاہد خشک نہیں تھے، بلکہ نہایت خوش مزاج اور بذلہ سنج تھے، برمحل وبا موقع موضوع کے مناسب اقوالِ سلف اور مختلف نامور شعراء کے اشعار سے محفل کو کشتِ زعفران بنائے رکھتے۔

چندگراں قیمت اوصاف

حضرت استاذ جی کے کمالات اور اوصاف تو اس قدر تھے کہ ان کی ہر صفت پر لکھا جاسکتا ہے، تاہم یہاں حضرت استاذ جی کی صرف تین صفات سے متعلق مختصراً عرض کرنا ہے:

❶ - حد درجہ تواضع

حضرت استاذ جی حد درجہ منکسر المزاج شخصیت تھے، استاذ جیؒ کے رہن سہن، ظاہر و باطن اور اقوال وافعال سے تواضع جھلکتی تھی، بایں ہمہ ان کی تواضع میں ذرہ برابر تکلف کا عنصر نہ تھا، کروفر سے کوسوں دور اور نام ونمود سے ان کو شدید نفرت تھی۔

❷-اسباق کی پابندی

اسباق کی پابندی حضرت استاذ جیؒ کا ایسا وصف تھا کہ جو اساتذۂ جامعہ میں بھی مشہور تھا، پورے سال میں ایک ناغہ بھی نہیں کیا، لیل ونہار کی مختلف قسم کی گردشیں حضرت استاذ جیؒ کی اس پابندی میں کوئی فرق تادمِ آخر نہ لاسکیں۔ استاذ جیؒ کے اسباق کی پابندی سے متعلق ایک حیران کن مشاہداتی قصہ ملاحظہ کیجیے:

امسال ۲۵ رصفر ۱۴۴۷ھ مطابق ۲۴ راگست ۲۰۲۵ء بروز بدھ کراچی میں سخت بارش ہوئی تھی، اہل کراچی اور موسمیات والوں کے بقول کراچی میں ایسی تیز اور سخت بارش کئی سالوں بعد ہوئی، جس کے سبب اس دن دیگر تمام درجات سمیت دو پہر کو دورہ حدیث کی بھی تعطیل کا اعلان ہوا۔ اگلے روز باوجود پیرانہ سالی کے ٹھیک اپنے وقت پر استاذ محترم تشریف لائے، اپنے آنے کا قصہ طلبہ کرام کی ترغیب کے لیے بیان کیا، استاذ جی کے الفاظ میں من وعن نقل کیا جارہا ہے:

''آج درجہ رابعہ تک اور شعبہ حفظ و بنات کی چھٹی ہے، لیکن درجہ خامسہ اور اس سے اوپر چھٹی نہیں اور میرا بیٹا (محمود الحسن) خامسہ میں پڑھتا ہے، لیکن آج وہ میرے ساتھ جامعہ میں نہیں آیا، کیونکہ کل وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہو گیا تھا، اس لیے کہ وہ کل جامعہ سے کریم آباد تک پیدل آیا تھا اور وہاں سے کسی رکشہ میں بیٹھ کر رات کو گھر پہنچا، راستہ خراب اور رش ہونے کی وجہ سے تو وہ سخت تھکا ہوا اور گھبرایا ہوا تھا اور آج مجھے بھی وصیت کرتا رہا کہ آپ مدرسے نہ جائیں، پانی بہت جمع ہے، کہیں کچھ ہو نہ جائے، تو میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ کوئی جائے یا نہ جائے میں تو جاؤں گا، آٹھ سو طلبہ میرے لیے دور دور سے آئے ہوئے انتظار کر رہے ہوں گے، مجھے کیسے چین آئے گا اپنے گھر پہ بیٹھ کر، اور پھر فرمایا کہ: میں آپ طلبہ کے نورانی چہروں کے دیکھنے کے لیے آیا ہوں۔''

❸-اپنے شاگردوں پر بے پناہ شفقت ومحبت

حضرت استاذ محترمؒ کا ہر شاگرد جو اُن سے ملتا یہ سمجھتا کہ حضرت استاذ جیؒ کو اس سے زیادہ محبت ہے، اپنے شاگردوں کو حضرت استاذ جیؒ دیگر لوگوں پر ترجیح دیتے تھے اور اپنے شاگردوں کے علمی ذوق وشوق کو دیکھ کر اظہارِ مسرت فرماتے تھے، استاذ جیؒ سے سنا ہوا یہ جملہ تقریباً ہر طالب علم کو یاد ہوگا: ''تلاميذي كالنجوم.'' ایک دن ہم طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: میں تو کہتا ہوں کہ ایسا ماحول پتہ نہیں جنت میں بھی ہوگا یا نہیں۔ اسی طرح طلبہ کی پریشانی اور غم پر حضرت استاذ جیؒ غمگین ہوتے، اس کی ایک عجیب مثال وفات سے دو دن پہلے کی ہے، راقم السطور جب استاذ جیؒ کی خدمت میں جناح ہسپتال عیادت کے لیے حاضر ہوا،

رخصت ہوتے ہوئے جہاں حضرت استاذ جیؒ نے جہراً ڈھیروں دعاؤں سے نوازا، وہیں خصوصی طور پر آخر میں فرمانے لگے کہ: طلبہ سے کہنا کہ استاذ جی ٹھیک ہیں، یہ مت کہنا کہ بیمار ہیں، ان کے پرچے چل رہے ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ وہاں سے یہاں میرے پاس آئیں اور ان کو تکلیف پہنچے۔

منتخب ملفوظات

❶ -فرمایا کہ صحابہ کرامؓ بہت زیادہ سمجھدار تھے، کسی فرعی مسئلہ کو بحث و مباحثہ کا مسئلہ نہیں بناتے تھے۔ دیکھو! سماعِ موتی کی بحث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر نکیر کی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلیبِ بدر کے پاس آئے اور کفار جو اس میں ڈالے گئے تھے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا: ’’هل وجدتم ما وعد ربكم حقا؟‘‘ تو اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تو مرے ہوئے ہیں، آپ ان سے اس طرح گفتگو کررہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ابھی میری باتوں کو سن رہے ہیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ میں جو اُن کو کہہ رہا ہوں وہ جانتے ہیں، یعنی ’’ليعلمون‘‘ فرمایا تھا، نہ کہ ’’ليسمعون‘‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی‘‘۔ شراحِ حدیث اپنی شروحات میں اس بات کا جواب دیتے ہیں، جب شراحِ حدیث جواب دے سکتے ہیں تو کیا وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ ہوشیار اور عالم ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جواب نہیں دے سکتے تھے؟ اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس مسئلہ کو بحث و مباحثہ کا مسئلہ بنانا نہیں چاہا تو خاموش ہوگئے۔

❷ -فرمایا کہ آدمی کے پاس اِزار اور قمیص کے علاوہ بھی ایک چادر ہونی چاہیے اور اس کا ثبوت بخاری شریف کی حدیث سے ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے میری اونٹنی کو ذبح کردیا الخ تو اس حدیث میں ہے کہ: ’’فدعا النبي صلى الله عليه وسلم بردائه فارتدى‘‘ اور اس کو بعض علاقوں والوں نے اپنایا بھی ہے۔

❸ -فرمایا کہ واعظوں اور تبلیغ والوں کو حجۃ الوداع سے متعلق حدیث بیان کرتے ہوئے خیال کرنا چاہیے، اس میں اپنی طرف سے غلط بات بھی نقل کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے خطبہ کے بعد جس صحابیؓ کے اونٹ کا رخ جس طرف تھا وہ اسی طرف کو تبلیغ دینے کے لیے نکل گیا۔ تو یہ صحیح نہیں ہے، سب مدینہ اور اپنے اپنے علاقے گئے تھے۔

❹ -فرمایا کہ عید کے دن مصافحہ اور مبارک بادی پر میں بخاری شریف میں واقعہ تبوک کی حدیث سے استدلال کرتا ہوں کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی توبہ جب قبول ہوگئی تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ اس میں فرماتے ہیں کہ: ’’فقام إليّ طلحة بن عبيد الله يهرول حتى صافحني وهنأني.‘‘

❺ - ایک طالب علم نے سوال کیا کہ استاذ جی! جب اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے رزق کی ذمہ داری لی ہے تو پھر لوگ بھوک سے کیوں مرتے ہیں؟ استاذ جیؒ نے نہایت تسلی بخش جواب دیا کہ اصل میں اللہ تعالیٰ نے موت کے بہت سے اسباب تقدیر میں لکھے ہیں، جیسے غرق ہونا وغیرہ، ان اسباب میں سے ایک سبب بھوک سے مارنا بھی ہے، تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو رزق لکھا ہوا ہوتا ہے وہ جب ختم ہو جاتا ہے تو ان کو رزق نہیں پہنچاتے، جس کی وجہ سے وہ بھوک سے مر جاتے ہیں۔

❻ - فرمایا کہ بعض لوگ کرامت بعد الوفاۃ کو نہیں مانتے، جب کہ کرامت بعد الوفاۃ تو قرآن سے ثابت ہے، جیسا کہ اصحابِ کہف کا جو قصہ قرآن میں مذکور ہے، ان میں اصحابِ کہف کی کرامت بھی ہے تو ان کی کرامت ان کے من جانب اللہ سونے کے بعد ظاہر ہوئی ہے اور ''النوم أخو الموت'' سے کرامت بعد الوفاۃ ثابت ہوئی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کرامت کو ولی اپنے اختیار سے ظاہر نہیں کرتا، بلکہ کرامت کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرتے ہیں اور کرامت ایک قسم کی عزت ہے تو اللہ تعالیٰ جس طرح زندگی میں عزت دیتے ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد بھی عزت دیتے ہیں تو کرامت موت کے بعد بھی ظاہر ہوتی ہے۔

(اس ملفوظ کے بعد حضرت استاذ جی نے فرمایا کہ یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟! یہ کہیں نہیں ملے گا، یہ اس دکان میں ملے گا اپنی طرف اشارہ کرکے)۔

❼ - فرمایا کہ سورۂ یوسف بہت اعلیٰ اور زبردست سورت ہے۔ پتہ نہیں اس میں کیا کیا علوم اور اسرار ہیں، لیکن دراصل اس سورت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینی مقصود ہے کہ اگر مکہ والے آپ کو تکلیف پہنچا رہے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی ان کے بھائیوں نے تکلیف پہنچائی۔ اگر آپ کی زوجہ پر تہمت لگائی گئی تو حضرت یوسف علیہ السلام پر بھی تہمت لگی، وغیرہ وغیرہ، لیکن بالآخر کامیابی حضرت یوسف علیہ السلام کے مقدر میں تھی تو اسی طرح کامیابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدر میں بھی ہوگی۔

❽ - فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اسلام یوں ہی اُڑ کر ہمارے گھروں میں آیا ہے، حالانکہ ساری تاریخ مسلمان مردوں اور عورتوں اور بچوں کی قربانیوں سے روشن ہے۔

❾ - فرمایا کہ حکومت میں جذبات سے نہیں، بلکہ حلم سے کام چلایا جاتا ہے، علم اور حلم دونوں حکومت چلانے کے لیے بہت ضروری اوصاف ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں صفتوں سے متصف تھے۔

❿ - فرمایا کہ روزہ ایک روحانی آپریشن ہے اور آپریشن میں بہت سی چیزوں سے پرہیز دیا جاتا ہے تو روزہ میں بھی بہت سی چیزوں سے پرہیز کا حکم دیا گیا۔

⓫ - فرمایا کہ صحیح بخاری کی اردو شروحات میں سے سب سے زیادہ مختصر اور جامع شرح ''تقریرِ بخاری'' (مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی) ہے، اس کو ضرور مطالعہ میں رکھا کریں۔

⓬- ایک طالب علم نے پرچی لکھی کہ استاد جی! مستقل مزاجی کی صفت کیسے پیدا ہوتی ہے؟ تو جواب میں استاذ جی نے فرمایا کہ: یہ دعاؤں سے ملے گی، دعا اس کا نسخہ ہے، دعاؤں سے بہت کچھ ملتا ہے۔

⓭- فرمایا کہ عشق صرف دیکھنے سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ سننے سے بھی پیدا ہوتا ہے، دیکھو! حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ سے ہم کلام ہوئے تو اللہ کے کلام کو سن کر عشق اور بڑھ گیا، پھر فرمایا: ’’رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ!‘‘

⓮- فرمایا کہ بدن میں سب سے پہلے کان سوتا ہے، اس کی عقلی دلیل تو یہ ہے کہ آدمی سوتے وقت سب سے پہلے کہتا ہے کہ شور نہیں کرو، اور نقلی دلیل بخاری شریف میں سورۃ الکہف کے ذیل میں اصحابِ کہف کے بارے میں ابن عباسؓ سے مروی روایت ہے کہ: فَضَرَبَ اللہُ عَلٰی اٰذَانِهِمْ فناموا.

⓯- فرمایا کہ گھر والوں کے ساتھ باتیں کرنا بھی سنت ہے، یہ نہیں ہے کہ بس ہر وقت مطالعہ ہو اور گھر والوں کو کوئی وقت نہ دیا جائے، اس کی دلیل بخاری کی حدیث ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کا معمول نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ: ’’فتحدث رسول الله صلى الله عليه وسلم مع أهله ساعة ثم رقد.‘‘

⓰- فرمایا کہ یہ آیت جو ہے: ’’لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ‘‘ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے کے لیے اکسیر ہے، ’’روح المعاني‘‘ میں اس آیت کے تحت قصہ دیکھ لیجیے اور فضائل درود شریف میں سے ایک حصہ کو دیکھ لو (بہت فائدہ ہوگا)۔

⓱- فرمایا کہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتابیں خریدو، وہ وکیلِ اہلِ سنت تھے، مولانا امین اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے عقیدت تھی تو اپنے ساتھ صفدر لگایا۔

⓲- فرمایا کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ تصوف کی حقیقت اسلام میں نہیں ہے، حالانکہ تصوف سے قرآن بھرا ہوا ہے، جگہ جگہ ’’يَتَفَكَّرُوۡنَ‘‘ جو آیا ہے یہ تصوف ہی تو ہے، اسی طرح ’’وَيُزَكِّيۡهِمۡ‘‘ یہ تصوف ہی تو ہے۔

⓳- فرمایا کہ یہ آیت جو ہے: ’’حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ‘‘ اس کا پڑھنا تکالیف اور مشکلات کے وقت بہت مفید ہے۔

⓴- فرمایا کہ طلبہ کرام سے میری درخواست اور ان کو میری نصیحت ہے کہ جیسے ہی اذان ہو جایا کرے، فوراً تکرار و مطالعہ سب چھوڑ دیا کریں، فوراً نماز کی تیاری میں لگ جائیں۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

رمضان المبارک میں وتر کی نماز جماعت کے بغیر پڑھنا

ادارہ

سوال

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں وتر کی نماز امام کے ساتھ جماعت سے پڑھنے کے بجائے رات کے تہائی حصہ میں ادا کرتا ہے:

صورتِ اول: غیر رمضان میں بھی اس کا یہی معمول ہے۔

صورتِ ثانی: رمضان المبارک میں صرف ایسا کرتا ہے۔

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو جب تراویح کی نماز باجماعت پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ وتر بھی باجماعت ادا فرمائی تھی، جیسا کہ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ’’فتح القدير‘‘ میں اس کی تصریح کی ہے، اس لیے رمضان میں وتر باجماعت ادا کرنا افضل ہے اور عام دنوں (غیر رمضان) میں چونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ’’وتر‘‘ باجماعت پڑھنا ثابت نہیں، اس لیے عام دنوں میں ’’وتر‘‘ باجماعت ادا کرنے کا حکم نہیں ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں افضل اور بہتر یہ ہے کہ رمضان میں وتر امام کے ساتھ جماعت سے پڑھے۔ اور اگر جماعت سے نہیں پڑھتا، الگ پڑھتا ہے تو بھی نمازِ وتر ادا ہو جائے گی۔

اور عام دنوں (غیر رمضان) میں رات کے نوافل کے بعد بشرطیکہ وتر قضا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، رات کے آخری حصے میں وتر ادا کرنا افضل ہے۔ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’ثم يعد عدم كراهة الجماعة في الوتر في رمضان اختلفوا في الأفضل. في

فتاوی قاضي خان: الصحيح أن الجماعة أفضل ... وفي النهاية ... واختار علماؤنا أن يوتر في منزله لا بجماعة، لأن الصحابة لم يجتمعوا على الوتر بجماعة في رمضان كما اجتمعوا على التراويح ... وأنت علمت مما قدمناه في حديث ابن حبان في باب الوتر أنه – صلى الله عليه وسلم – كان أوتر بهم، ثم بين العذر في تأخيره عن مثل ما صنع فيما مضى، فكما أن فعله الجماعة بالنفل، ثم بيانه العذر في تركه أوجب سنيتها فيه، فكذٰلك الوتر جماعة لأن الجاري فيه مثل الجاري في النفل بعينه، وكذا ما نقلناه من فعل الخلفاء يفيد ذٰلك إلخ.''

(فتح القدير: ١/ ٤٨٧، فصل في قيام رمضان . إمداد الأحكام: ١ / ٥٥، كراتشي)

''الفتاوى الهندية'' میں ہے:

''و يوتر بجماعة في رمضان فقط، عليه إجماع المسلمين، كذا في التبيين ، الوتر في رمضان بالجماعة أفضل من ادائها في منزله و هو الصحيح، هٰكذا في السراج الوهّاج.''(الفتاوى الهندية، فصل في التراويح، ج:١، ص:١١٦، ط: دارالفكر)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر:1442-19263 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

ریسٹورنٹ مینجمنٹ سسٹم میں الکوحل یا ناجائز اشیاء کا استعمال

سوال

ہم ایک سافٹ ویئر بیسڈ پروجیکٹ پر گزشتہ تین سال سے کام کررہے ہیں جو ریسٹورنٹ مینجمنٹ سسٹم ہے، اس سافٹ ویئر کے ذریعے برانڈز اور مختلف ریسٹورنٹس اپنے آپریشنز کو بہتر اور مؤثر انداز میں چلا سکتے ہیں، جس سے ان کی لاگت میں بھی بچت ہوگی، یہ پروجیکٹ ہمارے ایک پارٹنر کی ملکیت ہے جو کرسچن ہے، اور یو اے ای میں رہتا ہے، ہمارا کام اس پلیٹ فارم کو شروع سے تیار کرکے دینا ہے، اب یہ پلیٹ فارم مکمل ہو چکا ہے اور مختلف برانڈز کو پیش کیا جارہا ہے، تاکہ وہ اپنے ریسٹورنٹس یا شاپس میں اسے استعمال کرسکیں۔

چوں کہ یہ سسٹم بنیادی طور پر یو اے ای اور سعودی عرب کے ریسٹورنٹس کے لیے بنایا گیا تھا، وہاں

کے مینیو میں بعض اوقات الکوحل اور بارز کے سیکشن وغیرہ شامل ہوتے ہیں، اگر کوئی صارف ہمارے بنائے گئے پلیٹ فارم پر اس قسم کا مواد (جیسے الکوحل وغیرہ کا ڈیٹا) اَپ لوڈ کرے اور اپنے آپریشنز کو بہتر بنانے کے لیے یہ پلیٹ فارم استعمال کرے، تو کیا اس صورت میں ہمارے لیے شرعاً کوئی مسئلہ ہوگا؟

ہمارا تعلق تو صرف ٹیکنالوجی اور تکنیکی پہلو سے ہے، براہِ راست اس ڈیٹا یا اس کے استعمال سے نہیں۔ کیا اس صورت میں یہ کام ہمارے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعۃً سائل کا کام محض ایک سافٹ ویئر (ریسٹورنٹ مینجمنٹ سسٹم) بنانا ہے، جس کا بنیادی مقصد تکنیکی سہولت فراہم کرنا ہے، اگر ناجائز اشیاء مثلاً الکوحل یا بارز کا سیکشن اس میں شامل کرنا صارف کا ذاتی فعل نہ ہو تو سائل کے لیے یہ سافٹ ویئر پلیٹ فارم فراہم کرنا اور اس کی اُجرت لینا درست ہے، چوں کہ سائل براہِ راست نہ تو الکوحل کی تیاری یا فروخت میں شریک ہیں، اور نہ ہی اس کے استعمال کے لیے کوئی خاص فیچر ڈیزائن کر رہے ہیں، بلکہ سائل کا کام عمومی نوعیت کا ہے جو ہر ریسٹورنٹ کے لیے یکساں ہے، اس لیے اصل گناہ اور ذمہ داری صارف پر عائد ہوگی، سائل پر نہیں، البتہ اگر سائل جان بوجھ کر ایسا ماڈیول یا فیچر تیار کریں جو خاص طور پر شراب/حرام اشیاء کے لیے ہو، تو پھر گناہ کے کام میں تعاون کی وجہ سے یہ عمل ناجائز ہوگا۔

''جواهر الفقه'' میں ہے:

''ثم السبب ... وإن لم يكن محركا و داعيا، بل موصلا محضا، و هو مع ذٰلك سبب قريب بحيث لا يحتاج في إقامة المعصية به إلٰى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة، و بيع العصير ممن يتخذه خمرا، و بيع الأمرد ممن يعصي به و إجارة البيت ممن يبيع فيه الخمر أو يتخذها كنيسة أو بيت نار و أمثالها فكله مكروه تحريميا، بشرط أن يعلم البائع و الآجر من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذورا و إن علم و صرح كان داخلا في الإعانة المحرمة.'' (تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان: أقسام السبب و أحكامه، ج:۲، ص:۴۵۲، ط: مكتبة دار العلوم كراتشي)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144703102215 — دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

أفضل التطبيق العصري علی مسائل القدوري (تین جلدیں)

(متنِ قدوری پر عصر حاضر کے مسائلِ جدیدہ کا عمدہ انطباق)

مؤلف: مفتی محمد افضل صاحب (استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، ہندوستان)۔
صفحات جلد اول: ۴۲۷۔ صفحات جلد دوم: ۶۸۸۔ صفحات جلد سوم: ۵۰۰۔ قیمت: درج نہیں۔
اسٹاکسٹ: مکتبہ مروان، دکان نمبر: ۱۹، سلام کتب مارکیٹ، بالمقابل جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔
رابطہ نمبر: 0332-2535754

''مختصر القدوري'' فقہ حنفی کا معروف متن اور بنیادی کتاب ہے جو درسِ نظامی کا حصہ ہے، اسے ابتدائی درجات کا طالب علم ضرور پڑھتا ہے۔ اس کتاب کو ہر دور میں مدارس اور علمی حلقہ میں شہرت اور مقبولیت حاصل رہی ہے، اسی کتاب سے ایک مبتدی طالب علم فقہ کے مسائل تفصیل سے پڑھنا شروع کرتا ہے اور صورتِ مسئلہ اور احکام کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، اور اس کے پڑھنے کے بعد ہی کنز الدقائق، شرح وقایہ اور ہدایہ وغیرہ فقہ کی دیگر ضخیم کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

اس کتاب کی عربی، اردو کے علاوہ کئی زبانوں میں شروح لکھی گئی ہیں، یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، مگر اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف قدوری کی عبارت، ترجمہ اور مسئلہ کی تفہیم پر کفایت نہیں کی گئی، بلکہ قدوری کے متن اور صورتِ مسئلہ کے حل کے ساتھ ساتھ اس پر جدید مسائل میں سے کسی مسئلہ کو منطبق اور جاری کیا گیا ہے، یعنی جس صورتِ مسئلہ پر کوئی جدید مسئلہ منطبق اور جاری ہوسکتا تھا، اس صورتِ مسئلہ کی وضاحت کے ساتھ ساتھ کوئی جدید مسئلہ بھی آگے بیان کر دیا گیا ہے۔ ترتیب اس طرح ہے کہ:

۱- پہلے ''رقم المتن'' کے عنوان کے تحت قدوری کا وہ متن لایا جاتا ہے، جس پر کوئی جدید مسئلہ منطبق ہوسکتا ہے۔ ایسے ہر متن کو ایک نمبر دیا گیا ہے۔

۲- پھر ’’توضیح المسألة‘‘ کے عنوان کے تحت متن کی تشریح اور وضاحت کی جاتی ہے اور صورتِ مسئلہ کو بیان کیا جاتا ہے۔

۳- پھر ’’تفریع من المسائل العصرية‘‘ کے عنوان کے تحت وہ جدید مسائل ذکر کیے جاتے ہیں جو مذکورہ بالا متن پر منطبق ہو سکیں۔

۴- آخر میں ’’طريقة الانطباق‘‘ کے عنوان سے انطباق کی وجہ اور طریقہ بیان کیا جاتا ہے کہ جدید مسئلہ متن پر کیسے اور کیوں منطبق ہو رہا ہے؟! دلائل کے ساتھ اس انطباق کی وضاحت کی جاتی ہے۔

مذکورہ ترتیب کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ’’کتاب الصلوٰۃ‘‘ سے ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

نماز میں دائیں بائیں دیکھنے کا حکم

رقم المتن - ٦٣

’’ولا يلتفت يمينا وشمالا‘‘

ترجمہ: ’’اور دائیں بائیں نہ دیکھے۔‘‘

توضيح المسألة

مصلی کا دورانِ صلاۃ دائیں بائیں دیکھنا مکروہ ہے، کیونکہ دائیں بائیں دیکھنے کی وجہ سے نماز میں دھیان ہٹنے کا خطرہ ہے جو خشوع وخضوع میں خلل انداز ہوگا۔

تفريع من المسائل العصرية (رقم المسألة :١١٨)

نماز میں موبائل فون وائبریٹ (Vibrate) پر رکھنا

بعض لوگ نماز سے پہلے موبائل کو سوئچ آف نہ کرتے ہوئے صرف موبائل کی گھنٹی بند کر کے وائبریٹ (Vibrate) پر رکھتے ہیں، ان کا یہ فعل مکروہ ہے، کیوں کہ دورانِ صلاۃ موبائل کا وائبریٹ کرنا نماز میں خلل پیدا کرتا ہے جو نماز سے دھیان ہٹا دیتا ہے۔

طريقة الانطباق

یہاں ایک ضابطہ جان لینا چاہیے، تاکہ انطباق بے غبار ہو جائے کہ ہر اس صفت یا فعل کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا جو نماز کے خشوع وخضوع میں مخل بنے مکروہ ہے، اور جیسے نماز میں دائیں بائیں دیکھنا نماز میں مخل ہے، ایسے ہی دورانِ صلاۃ موبائل کا وائبریٹ (Vibrate) کرنا بھی خشوع وخضوع میں خلل پیدا کرتا ہے اور دل کو اس کی طرف مشغول کر دیتا ہے، اس لیے یہ بھی مکروہ ہوگا۔‘‘ (أفضل التطبيق

العصري علی مسائل القدوري، جلد اول، ص:۳۲۹، ۳۳۰)

جدید مسائل کے انطباق کے طریقہ پر روشنی ڈالتے ہوئے مؤلف ''عرضِ مؤلف'' میں لکھتے ہیں:

''کتاب میں نوازل (مسائلِ جدیدہ) کو حل کرنے کے لیے بنیادی طور پر جو تین باتیں ضروری ہوتی ہیں، اس کی پوری رعایت کی گئی ہے:

(الف) تصورِ نازلہ (Portry in the mind) یعنی کسی بھی شئے پر حکم شرعی لگانے کے لیے اس کا صحیح خاکہ ذہن میں ہونا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ تصورِ شئے اصل ہے اور اس پر حکم شرعی کا لگانا اس کی فرع ہے اور بدون اصل فرع کا تصور نہیں ہوسکتا۔

(ب) تکییفِ نازلہ (Conditioning fitting) یعنی اصولِ شرعیہ میں سے کسی اصل کی طرف جدید مسئلہ کو پھیرنا۔

(ج) تطبیقِ نازلہ (Adaptation) یعنی نازلہ (جدید مسئلہ) پر حکم شرعی کو اُتارنا اور چسپاں کرنا۔''

(أفضل التطبیق العصري علی مسائل القدوري، جلداول، عرضِ مؤلف، ص: ۵۴-۵۵)

جدید مسائل کا انطباق قدوری کے تمام فقہی ابواب پر کیا گیا ہے۔ قدوری کے کل ۲۸۳ متون ہیں، جن پر ۸ ۶۳ جدید مسائل کو منطبق کیا گیا ہے۔ یہ تمام متون اور جدید مسائل تقریباً دو ہزار صفحات کی تین جلدوں پر محیط ہیں۔ نیز ہر مسئلہ سے متعلق قرآن وحدیث اور فقہی کتب سے دلائل بھی حاشیہ میں درج کیے گئے ہیں۔ طلبہ اور علماء کرام کے لیے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہے، کیونکہ کسی قدیم کتاب کو جدید مسائل کے انطباق کے ساتھ مع دلائل ووُجوہ پڑھنا فقہی بصیرت اور مہارت کا ذریعہ ہے، اُمید ہے اس کتاب کو پڑھنے سے یہ فائدہ حاصل ہوگا، ان شاء اللہ۔ کتاب کا کاغذ مناسب، جلد مضبوط ہے۔

واضح رہے کہ زیرِتبصرہ کتاب میں جزئی مسائل کے انطباق میں علماء کرام اور مفتیانِ کرام میں آراء کا اختلاف متوقع ہے۔ کتاب کا مطالعہ اس اختلاف کی گنجائش کو سامنے رکھتے ہوئے کیا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف، ناشر اور تمام معاونین کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے، اس کا نفع عام فرمائے، آمین۔

تنقيح الحواشي لحل أصول الشاشي

شارح: مولانا عبدالحی استوری صاحب۔ صفحات: ۴۵۵۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: دار الکتب العلمیۃ، سلام کتب مارکیٹ، بالمقابل جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ رابطہ نمبر: 0312-2438530

شریعت کے چار دلائل ہیں: قرآن، حدیث، اجماع، قیاس، ان چار دلائل سے شریعت کے

احکام مستنبط، ثابت اور ظاہر ہوتے ہیں۔ احکامِ شرعیہ ان چار دلائل سے کس طریقہ اور ترتیب سے ثابت ہوتے ہیں؟! کون سے دلائل معتبر ہیں؟! اور کن شرائط کے ساتھ ہیں؟! کون سے دلائل حقیقت میں دلیل نہیں بن سکتے؟! وغیرہ، ان اُمور کی پہچان کے لیے اصولِ فقہ کا علم اور فن مدوَّن ومرتب کیا گیا ہے۔ درسِ نظامی میں اس علم وفن کی کئی کتب پڑھائی جاتی ہیں، انہی میں سے ''أصول الشاشي'' بنیادی اور اہم کتاب ہے، درسِ نظامی میں اسی کتاب کے ذریعہ مبتدی طالب علم اصولِ فقہ سے شد بد حاصل کرتا ہے۔ کتاب عربی زبان میں ہے اور ابتدائی کتاب ہونے کی وجہ سے طلبہ کو شرح اور رہنمائی کی ضرورت بھی پڑتی ہے، اردو اور عربی زبان میں کافی شروحات لکھی گئی ہیں، زیرِ تبصرہ کتاب بھی ''أصول الشاشي'' کی عربی شروحات میں ایک مفید اضافہ ہے، شارح جناب مولانا عبدالحی استوری صاحب (قدیم فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن) نے کافی عرصہ اس کتاب کی تدریس کی ہے، اور اپنے طویل تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ شرح لکھی ہے۔ مولانا نے شرح لکھتے ہوئے کئی چیزوں کی رعایت کی ہے، بالخصوص کوشش کی ہے کہ عبارت آسان اور عام فہم ہو، طالب علم کے مستویٰ اور استعداد کو سامنے رکھتے ہوئے اصول وقواعد کو آسان کر کے سمجھایا ہے اور طویل دروس کی تلخیص بھی کی ہے۔

شارح نے اپنے قلم سے شرح کی درج ذیل خصوصیات بیان کی ہیں:

- ''أصول الشاشي'' کے پورے متن پر اعراب لگایا گیا ہے۔
- تمام دروس کی تفصیل وتجزّی اور تقطیع کی گئی ہے۔
- ہر درس کے بعد تمرینیں اور مشقیں دی گئی ہیں۔
- مشکل مقامات کو آسان عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔
- امتحانی مراحل کے اعتبار سے دروس کو مرتب کیا گیا ہے۔
- اصول وقواعد کی مثالوں کے ساتھ تطبیق کا اہتمام کیا گیا ہے۔
- ہر درس کے شروع میں اُس درس سے متعلق اہم اُمور کا خلاصہ دیا گیا ہے۔
- شرح میں مذکور آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کی تخریج کی گئی ہے۔''

کتاب کا کاغذ عمدہ، طباعت دو رنگہ، ٹائٹل دیدہ زیب، سیٹنگ بہترین اور جلد مضبوط ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شارح کی خدمت کو قبول فرمائے اور کتاب کا نفع عام فرمائے، آمین